POSTED ON 11 January 2009 AT DELHI R.M.S. LICENCE NO. U (D.N.) 41/2006-08 TO POST WITHOUT PRE PAYMENT PAGES-8. Rs 5/= قیمت

AL-HIRA PUBLIC SCHOOL & HOSTEL
MUHAMMADPUR, SHAHGANJ, PATNA-800006
★ C.B.S.E. Curriculum ★ English Medium
★ Computer & Library Facilities ★ Quality Education
★ Class Monitoring with CCTV ★ Co-Curricular Activities
★ Separate Hostel for Boys & Girls ★ Regular Weekly Tests
Website: alhiraschool.com, E-mail : alhirashahpat@sify.com
Ph.: 0612-2685287, 09431087443
Registration Going on for Session 2009
Admission Test on 15th Feb 2009

"اس شخص سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔" (قرآن)

سہ روزہ دعوت نئی دہلی

بچوں کے لئے کہانیوں کا مجموعہ
انمول
جس کی ہر کہانی سے پیارے نبی ﷺ کی ایک حدیث آپ کو اچھی طرح سمجھ میں آجائے گی۔
اچھی اور مزیدار کہانیاں
آج ہی حاصل کریں
ناشر البدر بک سینٹر
مہاجنی ٹولہ، سرائے میر، اعظم گڑھ، یوپی 9839591434

● جلد: ۵۷ ● شمارہ: ۵ ● ۱۳ر جنوری ۲۰۰۹ء ● 13 Jan. 2009 ● منگل ● ۱۵ر محرم الحرام ۱۴۳۰ھ ● قیمت= Rs.5/ ● سعودی عرب اور دیگر خلیجی ملکوں کیلئے ۲ ریال ● Posting: 11Jan. 2009 Sunday

مالیگاؤں دھماکہ کی جانچ کا انجام بھی نانڈیڑ جیسا ہوگا؟

ممبئی حملوں کے بعد دہشت گردی کی جو بحث ملک میں چھڑی ہے اور جس طرح اس پر سیاست ہورہی ہے اس سے ملک کے اہم مسائل پس پشت چلے گئے ہیں۔ ان میں ۲۹ر ستمبر کے مالیگاؤں بم دھماکہ کی جانچ خاص طور سے قابل ذکر ہے جو ممبئی حملوں سے قبل پورے ملک کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ جانچ سے دن بدن نت نئے اہم انکشافات نے نہ صرف پورے سنگھ پریوار کو ہلا کر رکھ دیا تھا بلکہ ملک میں دہشت گردی کے اصلی چہرے کو بھی بے نقاب کردیا تھا۔ ملک کی پولیس کی توتھیں البتہ دہشت گردی کے تعلق سے پروپیگنڈے کے بارے میں عوام کی رائے ضرور بدلنے لگی تھی۔ جس طرح مالیگاؤں بم دھماکے کے ملزمان کے تار سمجھوتا ایکسپریس خصوصاً مساجد میں ہوئے بم دھماکوں سے جڑ رہے تھے جس سے یہ اندازہ لگایا جارہا تھا کہ مالیگاؤں بم دھماکہ کی انکوائری سے کئی اور بم دھماکوں پر پڑے ہوئے پردے ہٹ سکتے ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ گجرات، اترپردیش اور راجستھان پولیس اپنے یہاں ہونے والے بم دھماکوں کے سلسلے میں مالیگاؤں بم دھماکوں کے ملزمان سے پوچھ گچھ اور مہاراشٹرا اے ٹی ایس سے مدد کے لئے وہاں گئی تھی، کچھ دنوں میں مزید ریاستوں کی پولیس بھی وہاں پہنچتی۔ سی بی آئی تک نانڈیڑ بم دھماکہ کے سلسلے میں دوبارہ حرکت میں آگئی تھی جب کہ یہ معاملہ پوری طرح دب چکا تھا۔ غرضیکہ سارے راز کھل رہے تھے لیکن ایک ہی جھٹکے میں پوری صورتحال ہی بدل گئی۔ ممبئی حملوں نے ملک کا موضوع بحث بدل دیا اور حملوں کے دوران مہاراشٹرا اے ٹی ایس کے سربراہ ہیمنت کرکرے کی موت سے مالیگاؤں بم دھماکہ کی انکوائری اور اس سے ہونے والے دیگر انکشافات میں ایک طرح سے سرد مہری چھاگئی۔

کرکرے کی موت کے بعد رگھوونشی کو مہاراشٹرا اے ٹی ایس کا سربراہ بنایا گیا ہے حالانکہ ان کے دور میں بھی کچھ دنوں کی خاموشی کے بعد مالیگاؤں بم دھماکہ کی انکوائری اور مقدمہ کی سماعت چل رہی ہے لیکن اس میں وہ بات نظر نہیں آرہی ہے جو کرکرے کے دور میں تھی۔ اس وقت تو ہر ملزم نارچر کی شکایت کررہا تھا اور ان کی ہمنوا تنظیمیں اس پر ہنگامہ کررہی تھیں لیکن اب ان ہی ملزمین کے چہروں پر مسکراہٹ دیکھنے کو مل رہی ہے۔ ۶ر جنوری کو جب ملزمین کو ممبئی کی مکوکا عدالت میں پیش کیا گیا جب عدالت نے ان کی عدالتی تحویل میں ۲۰ر جنوری تک توسیع کردی تو اس کو جو خبر ۷ر جنوری کے اخبارات میں شائع ہوئی ہے اس میں سادھوی پرگیا سنگھ ٹھاکر کی تصویر ہنستے ہوئے چھپی ہے اس کی وجہ کیا ہے یہ تو ملزمین ہی جانتے ہوں گے لیکن پورا ملک تو یہی دیکھ رہا ہے کہ ممبئی حملوں سے قبل مالیگاؤں بم دھماکہ کی انکوائری میں جو سرگرمی دیکھنے کو مل رہی تھی صورتحال بالکل بدلی ہوئی نظر آرہی ہے۔ مہاراشٹرا اے ٹی ایس کا رویہ اور طرز عمل بھی کچھ ایسا لگ رہا ہے جیسے وہ معاملہ کو سنجیدگی سے نہیں لے رہی ہے۔

دوسری طرف گزشتہ دنوں مہاراشٹر اے ٹی ایس کے سابق سربراہ ہیمنت کرکرے کی بیوہ نے ایک ٹیلی ویژن انٹرویو میں صاف صاف کہا تھا کہ مالیگاؤں بم دھماکہ کی انکوائری کے تعلق سے ان کے شوہر پر ہر طرف سے تنقید کی گئی جس سے پورے کنبہ کو سخت تکلیف پہنچی لیکن وہ جانتی ہیں کہ ان کے شوہر حق پر تھے اور ان کے پاس مالیگاؤں بم دھماکہ کے تعلق سے پختہ ثبوت تھے۔ وہ اپنی انکوائری سے مطمئن بھی تھے۔ مسز کرکرے کا یہ کہنا اور بھی اہمیت رکھتا ہے کہ ان کی چھوٹی بیٹی کا کہنا ہے کہ ممبئی حملوں میں زندہ بچے عامر اجمل قصاب کو اس کا موقع دیا جانا چاہئے کہ وہ بتائے کہ اس نے ان کے والد کو کیوں مارا۔ (انڈین ایکسپریس، ۶ر جنوری ۲۰۰۹ء)

کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے کہ اچانک مالیگاؤں بم دھماکہ کی انکوائری اور مقدمہ کی سماعت میں غیر معمولی تبدیلی آگئی۔ اس میں نہ وہ سرگرمی اور حرکت نظر آرہی ہے اور نہ وہ انکشافات سامنے آرہے ہیں جو کرکرے کے دور میں دیکھنے اور سننے کو مل رہے تھے اور اس معاملہ میں میڈیا سے لے کر عوام تک ایک ایسی دلچسپی نظر آرہی تھی جو اس سے قبل کسی معاملے میں نہیں دیکھی گئی۔ مہاراشٹرا اے ٹی ایس سے زیادہ ذرائع ابلاغ اپنے ذرائع سے نت نئے انکشافات کررہے تھے لیکن آج پوری صورتحال ہی بدل گئی ہے۔ الیکٹرانک میڈیا سے تو مالیگاؤں بم دھماکہ کی خبر ہی دور ہوگئی ہے۔ پرنٹ میڈیا میں بھی کبھی کبھار ہی اس کی خبر اس طرح شائع ہوتی ہے جیسے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اخبارات کا بغور مطالعہ کرنے پر ہی اس خبر پر قارئین کی نظر پڑتی ہے۔

جس کو بھی مالیگاؤں بم دھماکہ کی انکوائری اور مقدمہ میں دلچسپی تھی، آج یہ سوال کررہا ہے کہ آخر اس معاملہ کو کیا ہوا؟ اچانک سب کچھ کیوں بدل گیا؟ ممبئی حملہ اپنی نوعیت کا الگ معاملہ ہے اور مالیگاؤں دھماکہ الگ معاملہ ہے۔ نئے نئے واقعات سے ملک کا موضوع بحث بدل سکتا ہے۔ سیاست کا رخ تبدیل ہوسکتا ہے لیکن ایک واقعہ سے دوسرا واقعہ تو متاثر نہیں ہونا چاہئے۔ دونوں کی انکوائری الگ الگ ہورہی ہے پھر مالیگاؤں بم دھماکہ کیس ٹھنڈے بستے میں جاتا ہوا کیوں دکھائی دے رہا ہے؟ ویسے مہاراشٹرا اے ٹی ایس کے موجودہ سربراہ رگھوونشی نے جب عہدہ کا چارج لیا تھا تو اسی وقت یہ اندیشہ ظاہر کیا گیا تھا کہ اس معاملہ کا حشر بھی نانڈیڑ دھماکہ جیسا ہوسکتا ہے۔ رگھوونشی نے ہی نانڈیڑ بم دھماکہ کی انکوائری کی تھی جو کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکی۔ کچھ ایسا ہی اب مالیگاؤں بم دھماکہ میں لگ رہا ہے۔ جب سے رگھوونشی نے مہاراشٹرا اے ٹی ایس کے سربراہ کی ذمہ داری سنبھالی ہے مالیگاؤں بم دھماکہ کی تفتیش میں سرد مہری نظر آرہی ہے۔

ہند-پاک کے درمیان زبانی جنگ جاری

ہندوستان اور پاکستان کے درمیان زبانی جنگ میں ایک بار پھر تیزی آگئی ہے۔ ایک طرف حکومت ہند کا یہ کہنا ہے کہ اس کی طرف سے ممبئی حملوں سے متعلق پختہ ثبوت پاکستان کو فراہم کردیئے گئے ہیں جن کی امریکہ نے بھی تصدیق کردی ہے وہیں دوسری طرف پاکستان مسلسل اس سے انکار کرتا چلا آرہا ہے۔ وہ ان پختہ شہادتوں کو معلومات کا نام دے رہا ہے۔ وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ، وزیر خارجہ پرنب مکھرجی اور وزیر داخلہ پی چدمبرم کے بیانات میں یہ بات برابر کہی جارہی ہے کہ ہندوستان کے پاس اس کے ٹھوس شواہد موجود ہیں کہ ممبئی حملوں میں نہ صرف پاکستانی عناصر ملوث تھے بلکہ ان سے اس کی بھی تائید و توثیق ہوتی ہے کہ پاکستان کی سرکاری ایجنسیوں کی انہیں مکمل تائید و حمایت حاصل تھی۔ ہندوستان کی جانب سے ٹھوس شواہد حکومت پاکستان کے حوالے کردیئے گئے ہیں اب پاکستان کی باری ہے اسے زبانی جمع خرچ سے آگے بڑھ کر اس کا عملی ثبوت فراہم کرنا ہے کہ وہ اس سلسلے میں کارروائی کررہا ہے۔ لیکن پاکستان کی جانب سے اس سے مسلسل انکار کیا جارہا ہے، پاکستانی حکام ہندوستان کی جانب سے فراہم کردہ ٹھوس شواہد کو معلومات قرار دے رہے ہیں۔ جن کا پاکستان جائزہ لے رہا ہے کہ وہ ٹھوس شواہد کے معیار پر کھرے اترتے بھی ہیں یا نہیں۔ ہندوستان یہ کہتا ہے کہ ممبئی حملوں میں ملوث دہشت گردوں میں سے تنہا بچ جانے والا اجمل قصاب پاکستان کے شہر فرید کوٹ کا باشندہ ہے، مگر پاکستان یہ کہتا ہے کہ ریکارڈ سے اس بھارتی دعوے کی تصدیق نہیں ہوتی۔ ابتدا میں تو تمام راستے کھلے رکھنے کی بات جب کہی گئی تو پاکستان نے اس کا خوب فائدہ اٹھایا اور یہ پروپیگنڈا کیا کہ پاکستان کو ہندوستان کی طرف جنگ کا خطرہ لاحق ہے حالانکہ حکومت ہند کی طرف سے اس کی بار بار وضاحت کی گئی کہ جنگ کا ارادہ نہیں ہے نہ اس کی تیاری کی جارہی ہے۔ دوسری طرف پاکستانی اہل کار اور ذمہ داران حکومت بار بار قلابازیاں کھاتے رہے کبھی انہوں نے کہا کہ ممبئی حملوں میں جو لوگ ملوث بتائے جاتے ہیں وہ غیر ریاستی عناصر ہوسکتے ہیں اور جن سے پاکستان خود پریشان ہے۔

اس دوران امریکہ، چین، سعودی عرب اور ایران کو بھی بیچ میں ڈالا گیا، امریکہ کی طرف سے بار بار یہ کہا جاتا رہا کہ اس موقع پر جنگ ٹھیک نہیں ہے نہ جنگ مسئلہ کا حل ہے۔ امریکہ کے کئی سول اور فوجی افسروں نے ہندوستان اور پاکستان کے دورے کئے اور دونوں ملکوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ معاملات کو سفارتی سطح پر حل کرنے کی کوشش کی جائے، پاکستان پر دباؤ ڈالا کہ اسے ہندوستان کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے۔ اور نہ صرف تحقیق و تفتیش میں ساتھ دینا چاہئے بلکہ جو شواہد ہندوستان کی طرف سے فراہم کئے جارہے ہیں اس کے مطابق کارروائی بھی کرنی چاہئے، اس دوران برطانوی وزیر اعظم نے بھی افغانستان، پاکستان اور ہندوستان کا دورہ کیا اور ہندوستان کے موقف کی نہ صرف حمایت کی بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ دہشت گردی کی جڑیں پاکستان میں موجود ہیں۔ اس کا خاتمہ ضروری ہے۔ مسٹر گورڈن براؤن نے یہ بھی کہا کہ برطانیہ میں حالیہ دنوں میں ہونے والی دہشت گردانہ سرگرمیوں کی کڑیاں بھی پاکستان سے ملتی ہیں، ادھر افغانستان کو بھی پاکستان سے یہی شکایت ہے۔ انہی بنیادوں پر ہندوستان کی طرف سے بار بار یہ مطالبہ دہرایا جاتا رہا کہ پاکستان کی سرزمین سے ہند مخالف جو سرگرمیاں جاری ہیں ان کو نہ صرف بند کیا جائے بلکہ جو لوگ اس میں ملوث ہیں ان کو گرفتار کرکے انہیں ہندوستان کے حوالے بھی کردینا چاہئے۔ اس کے جواب میں پاکستان نے یہ کہا کہ پاکستان اس معاملہ کی اپنے طور پر بھی تفتیش کررہا ہے، جو لوگ بھی قصوروار پائے جائیں گے ان کے خلاف کارروائی کی جائے گی اور ان کے خلاف پاکستان میں ہی مقدمہ قائم کیا جائے گا انہیں ہندوستان کے سپرد کرنے کا اس لئے سوال نہیں اٹھتا کیوں کہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان حوالگی کا کوئی معاہدہ ہی نہیں ہے۔ اسے یہ یاد دلایا گیا کہ اسے بین الاقوامی قوانین کی پابندی کرنی چاہئے مگر پاکستان ان تمام کی نفی کرتا رہا۔

اب ایک بار پھر دونوں جانب سے سخت بیانات دیئے جانے لگے ہیں۔ وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ نے اپنے بیان میں ایک بار پھر یہ کہا ہے کہ ممبئی کے واقعہ میں پاکستان کا ہاتھ صاف صاف نظر آرہا ہے، وزیر داخلہ پی چدمبرم کا کہنا ہے کہ حملے کا طریقہ یہ بتارہا ہے کہ اس میں کسی معمولی مجرم کا ہاتھ نہیں تھا بلکہ بہت ماہر افراد اس میں ملوث تھے۔ وزیر اعظم نے ایک بار پھر لشکر طیبہ کا نام لیا ہے، یہی نہیں بلکہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ پاکستان نے دہشت گردی کو ریاستی پالیسی کے طور پر اختیار کررکھا ہے، اس کو چاہئے کہ وہ اسے ترک کردے، وزیر داخلہ چدمبرم نے کہا کہ پاکستان اگر اس سے باز نہیں آتا ہے تو اسے جان لینا چاہئے کہ اس کو اس کی بہت بھاری قیمت چکانی پڑے گی۔ وزیر اعظم نے وزراء اعلیٰ کی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے یہ کہا کہ ہمیں دنیا کو یہ باور کرانا ہوگا کہ جو ممالک دہشت گردی کو اپنی اسٹیٹ پالیسی کا حصہ بناتے ہیں اور اپنی خارجہ پالیسی اس بنیاد پر ترتیب دیتے ہیں ان کا بائیکاٹ کردینا چاہئے جب تک انہیں تنہا نہیں کیا جائے گا ان کو اس کا احساس نہیں ہوگا کہ انہیں اپنی پالیسی پر نظر ثانی کرنی چاہئے، دوسری طرف وزیر خارجہ پرنب مکھرجی نے بیان دیا کہ اب بہت ہوگیا پاکستان کو ٹھوس شواہد پیش کئے جاچکے ہیں۔ اب اسے زبانی جمع خرچ سے آگے بڑھ کر ٹھوس کارروائی کرنی چاہئے۔ انہوں نے امریکہ اور دوسرے ملکوں پر بھی زور دیا کہ انہیں پاکستان پر ٹھوس قدم اٹھانے کے لئے دباؤ ڈالنا چاہئے، بتایا جاتا ہے کہ وزیر داخلہ پی

باقی صفحہ ۸ پر

بلا تبصرہ

مایاوتی ہندوستانی سماج کے جس طبقے سے اٹھ کر وزیر اعلیٰ کی کرسی تک پہنچی ہیں وہ طبقہ آج بھی اسی حالت میں ہے۔ یہ مایاوتی اور ان جیسے دلت پسماندہ طبقات کی سیاست کرنے والوں کے لئے غور طلب ہے۔ خاص طور سے جب مایاوتی اپنی سالگرہ دھوم دھام سے مناتی ہیں اور اسے پسماندہ طبقے میں آرہی تبدیلی کے طور پر ظاہر کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اس سے تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس طبقے کے ساتھ فریب کررہی ہیں جس کے نوے فیصد افراد روزگار کے لئے سڑکوں پر مارے مارے پھرتے ہیں۔

پی پرساد، غازی آباد
نوبھارت ٹائمس، ۸ر جنوری ۲۰۰۹ء

خبر و نظر

بہار میں الٹی گنگا

بہار کے سہرسہ ضلع کی خبر ہے کہ وہاں کچھ مقامات پر سیلاب کے متاثرین کے درمیان امدادی سامان کی تقسیم میں بھید بھاؤ برتا جارہا ہے۔ سرکاری کارندے صرف دلت اور مسلم خاندانوں میں سامان تقسیم کررہے ہیں۔ جب کہ اونچی ذاتوں کے لوگوں کو نظر انداز کیا جارہا ہے۔ انڈین ایکسپریس (۵ر جنوری) کی ایک رپورٹ کے مطابق سون برشا راج بلاک میں سرکاری کارکنوں نے دلت، مہادلت اور مسلم متاثرین میں کمبل بانٹنے اور دوسری جاتیوں کو کمبل دینے سے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ یہ سامان "اونچی" جاتیوں کے لئے نہیں ہے اور یہ کہ ایسا سرکاری حکام کی ہدایت پر کیا جارہا ہے۔ اطلاعات کے مطابق ریلیف کا سامان گجرات اور جھارکھنڈ کی سرکاروں، ریڈ کراس سوسائٹی اور کچھ نجی گروپوں کی جانب سے آیا تھا۔ سہرسہ کے ڈی ایم مسٹر آر لکشمن کا کہنا تھا کہ اگرچہ سرکاری طور پر ایسا کوئی اصول نہیں بنایا گیا ہے لیکن سامان کی کمی کی وجہ سے ہمیں کوئی نہ کوئی ضابطہ تو بنانا ہی تھا اس لئے دلتوں، مہادلتوں اور مسلمانوں کو ترجیح دی گئی ہے۔ تاہم "اونچی" جاتیوں سے تعلق رکھنے والے افراد اسے کھلا امتیازی سلوک قرار دیتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ یہ سب سیاست ہے اور اس کے لئے سرکاری حکام ذمہ دار ہیں۔ ایک اطلاع یہ ہے کہ سیلاب کے دوران ریلیف کیمپوں میں بھی یہی سب دیکھا گیا تھا۔

اب ذرا گجرات کو یاد کیجئے

بہار کے اس واقعہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے اب ذرا گجرات کے ان واقعات کو یاد کیجئے جب ۲۶ر جنوری ۲۰۰۱ء کے زلزلے کے بعد وہاں ریلیف کیمپ قائم کئے گئے تھے لیکن مصیبت کی اس سخت حالت میں بھی "اونچی" ذاتوں کے لوگوں نے کیمپوں میں دلتوں کے ساتھ رہنا یا انہیں ساتھ رکھنا پسند نہیں کیا تھا۔ کھانا پینا چھوڑ دیا تھا جس پر حکام کو علیحدہ علیحدہ کیمپ قائم کرنے پڑے تھے۔ پھر اطلاعات آئیں کہ ریلیف کے سامان کی تقسیم میں بھی "نچلی" ذاتوں کے ساتھ بھید بھاؤ برتا جارہا ہے — ظاہر ہے کہ یہ دونوں ہی واقعات افسوسناک اور غیر انسانی ہیں — البتہ یہ دیکھنا ہوگا کہ انسانی اونچ نیچ کی اس سوچ کا آغاز کب سے اور کہاں سے ہوا اور کس نے کیا۔ بہار کی مثال اپنی نوعیت کی انوکھی یا کمیاب مثال ہے، جب کہ گجرات کے مناظر سے اس ملک کی پوری تاریخ بھری پڑی ہے۔ اس سوچ کے بانی اور اس کا آغاز کرنے والے بھی وہی لوگ ہیں جن کے زیر اثر آکر گجرات کے لوگوں نے کھانا پینا ترک کردیا تھا۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ بہار کے سون برشا راج بلاک نے گجرات کی روایت ہی پر عمل کیا ہے لیکن الٹے طریقے سے۔ ایک طرح سے یہ غیر شعوری جوابی کارروائی ہے۔

یہ صورت کیوں پیدا ہوئی

اب یہ دیکھنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ سون برشا راج اس پوزیشن میں آیا کیسے؟ یہ نتیجہ ہے اس تحریک کا جو دلت اور کمزور طبقات کی بیداری کے لئے گزشتہ بیس برسوں سے جاری ہے اور جس نے یوپی اور بہار میں "اونچی" ذاتوں کا تسلط ختم بھلے ہی نہ کیا ہو لیکن وہ "نچلی" ذاتوں کو اقتدار کی پوزیشن میں ضرور لے آئی ہے۔ سرکاری نوکریوں میں بھرتی اسی کا حصہ ہے۔ آج یوپی میں اگر مایاوتی خود اونچی کرسی پر بیٹھ کر دوسروں کو نیچے دکھاتی ہیں تو اس کے لئے بھی بیدائشی اونچ نیچ کا سماجی نظام قائم کرنے والے ہی ذمہ دار ہیں، جنہوں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ یہ دودھاری تلوار ہے جو کبھی دوسروں کے ہاتھوں میں بھی جاسکتی ہے، جب کہ صاف دیکھ رہے تھے کہ اس ملک میں "نیچوں" کی تعداد زیادہ اور بہت زیادہ ہے۔ (اسی لئے آزادی کے بعد جن لوگوں نے "ون مین ون ووٹ" کا جمہوری نظام رائج کیا تھا ان میں سے بہت سے آج پچھتاتے ہیں) — لیکن ظاہر ہے کہ اچھے انسانوں کے نزدیک یہ دونوں صورتیں غلط ہیں۔ عمل اور ردعمل دونوں ہی غیر انسانی ہیں۔ اس لئے یہاں ایسا نظام آنا چاہئے جو انسانی مساوات اور سب کے ساتھ انصاف پر مبنی ہو۔ ظلم کسی پر نہ ہو، وسائل کی تقسیم منصفانہ ہو۔ ایسا نظام بڑے پیمانے پر دعوت اسلامی کی کوششوں ہی سے ممکن ہے۔ ممکن اس لئے بھی ہے کہ اس ملک کے انسانوں کی بہت بڑی اکثریت بہرحال اچھے انسانوں پر مشتمل ہے۔ (پ ر)

وینزویلا کی انسانیت نوازی اور مسلم حکمرانوں کی خاموشی

۲۷ر دسمبر سے غزہ پٹی میں صہیونی مملکت کی سرکاری دہشت گردی جاری ہے اور دنیا خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے، ظاہر ہے مسلم حکمرانوں سے تو کسی ٹھوس اقدام یا کارروائی کی توقع ہی ناممکن ہے۔ ۵۷ ملکوں پر مشتمل عالمی مسلم تنظیم او آئی سی کے حکمراں اسلامی جذبہ، دینی بصیرت، مسلم اخوت اور اسلامی غیرت و حمیت سے محروم بزدلی و غلامی کا قلادہ زیب گلو کئے اپنی جانوں اور کرسیوں کی خیر منارہے ہیں۔ اس صورتحال میں بلاشبہ جنوبی امریکہ کے کیریبین ساحل پر واقع چھوٹی سی رومن کیتھولک مملکت وینزویلا کے صدر ہیوگو شاویز کی انسان نوازی کو ہزار بار سلام کیا جائے گا جس نے صہیونی مملکت کی دہشت گردی اور صلیبی ذہنیت والے امریکی صدر جارج بش کی طرف سے اس کی سرپرستی کو پائے حقارت سے ٹھکراتے ہوئے اس دہشت گردی کے ۱۲ویں دن اسرائیلی سفیر کو ملک بدر کردیا۔ اتنا ہی نہیں انہوں نے اسرائیلی و امریکی صدور کو عالمی عدالت میں گھسیٹنے کے لئے بھی عالمی برادری سے اپیل کردی ہے۔ معصوم حریت پسند اور آزادی وطن کے متوالے فلسطینیوں کے خلاف صہیونی مملکت اسرائیل کی طرف سے جاری دہشت گردی کی مخالفت اور فلسطین کے خودار و جاں باز حریت پسندوں کے ساتھ اظہار ہمدردی کرتے ہوئے وینزویلا کے صدر ہیوگو رافائل شاویز فریاس نے فلسطینیوں کے قتل عام کو ہولوکاسٹ قرار دیا ہے انہوں نے اسرائیلی حکومت کو سخت تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے غزہ میں اس کی کارروائی کو جارحیت اور وحشیانہ حرکت قرار دیا ہے۔ انہوں نے فلسطینی لیڈر یاسر عرفات کے قتل کا ذمہ دار امریکہ کو قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ ان کو زہر دے کر ہلاک کرنے کا مقصد مشرق وسطیٰ کو عدم استحکام سے دوچار کرنا اور اسرائیلی حملوں کے لئے راہ ہموار کرنا ہی تھا۔ وینزویلا نے اسرائیلی سفیر اور اس کے سفارت خانہ کے کچھ عملہ کو غزہ پر اسرائیل کی بمباری کی وجہ سے اپنے ملک سے چلے جانے کے لئے کہہ دیا ہے۔

اس موقع پر قابل توجہ امر یہ ہے کہ بھارت ہمیشہ ہی سے عربوں اور فلسطینیوں خاص طور سے یاسر عرفات کے ساتھ ہمدردی کے دعوے کرتا رہا ہے لیکن کہ دعویٰ کی بات بھی گئے گزرے زمانہ کی بات ہوکر رہ گئی ہے۔ اب تو بھارت کو عرب اور فلسطین نہیں اسرائیل کے صہیونی دوست رہنما تربیت دہندہ استاد نظر آتے ہیں۔ ایک زمانہ ہوگیا اس نے اسرائیل سے نہ صرف سفارتی تعلقات قائم کررکھے ہیں اس سے گہرے فوجی روابط بھی ہیں اسرائیلیوں سے بھارتی فوجی تربیت و ٹریننگ اور دفاعی مشورے بھی حاصل کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دہشت گردی کا مقابلہ کرنے کے لئے اسرائیل کے تجربات سے بھارتی سیکوریٹی فورسز کو فائدہ اٹھانا چاہئے۔ اس طرح فلسطین کے حریت پسندوں اور آزادی وطن کے لئے جدوجہد کرنے والوں کو دہشت گرد قرار دیا جاتا ہے اور بھارت میں ہونے والی دہشت گردی کو

باقی صفحہ ۸ پر

اسرائیل تباہی کی مشین / عباس

دبئی- فلسطینی صدر محمود عباس نے اسرائیل کو تباہی کی مشین قرار دیتے ہوئے غزہ پر وحشیانہ حملے کی مذمت کی ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس نے پوری دنیا کو ان سنی کرکے غزہ میں بے قصور لوگوں کو مارنے کا سلسلہ جاری رکھا ہے۔ انھوں نے سلامتی کونسل سے اپیل کی ہے کہ وہ غزہ میں فوری جنگ بندی کرے، مگر کونسل کے رکن مغربی ممالک کہتے ہیں کہ ابھی اس میں دیر لگے گی اور اگلے ہفتے سے پہلے قرارداد کا مسودہ تیار نہیں ہوپائے گا جس کے بعد اسے ووٹنگ کے لئے پیش کیا جائے گا۔ ادھر اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل بان کی مون نے کہا ہے کہ غزہ میں اقوام متحدہ کے اسکول پر اسرائیلی حملہ ناقابل برداشت ہے۔

صدام ہوتے تو اسرائیل حملہ نہیں کرتا

دبئی- سابق عراقی صدر صدام حسین کے روپوش سابق معاون عزت ابراہیم الدوری نے کہا کہ اگر اس وقت عراقی رہنما صدام حسین اقتدار میں ہوتے تو اسرائیل غزہ پر اس طرح حملے کرنے کی جرأت نہ کرتا۔ انھوں نے کہا کہ اگر منتخب صدر بارک اوباما کی انتظامیہ عراق سے فوج واپس بلالیتی ہے تو پھر عراقی مزاحمت پسند امریکہ کے ساتھ مذاکرات کریں گے۔ مسٹر الدوری نے کہا کہ غزہ میں عربوں پر وحشیانہ اسرائیلی حملہ عراق، اس کی قومی قیادت اور اس کے لیڈر کی غیر حاضری کا قدرتی نتیجہ ہے۔

فلسطینی اتھارٹی کو چینی امداد

بیجنگ- چین نے فلسطینی اتھارٹی کو اسرائیلی حملوں کے باعث پیدا ہونے والی صورتحال سے نمٹنے کے لئے دس لاکھ ڈالر کی ہنگامی امداد دینے کی پیشکش کی ہے۔ چینی وزارت خارجہ کے ترجمان چن کانگ نے نامہ نگاروں سے کہا کہ چین اسرائیلی حملوں کے باعث غزہ میں پیدا ہونے والی سنگین صورتحال سے نمٹنے کے لئے امدادی پیشکش جاری رکھے گا اور ان کا ملک غزہ میں انسانی بحران اور پرتشدد واقعات کے حوالہ سے تشویش میں مبتلا ہے۔

۵۲۲۰ غیر ملکی فوجیوں کی ہلاکت

کابل- طالبان نے سال ۲۰۰۸ء کے دوران مختلف کارروائیوں میں ۵۲۲۰ غیر ملکی فوجیوں کو ہلاک کرنے، ۳۱ لڑاکا طیاروں کو مار گرائے جانے اور ۲۸۱۸ گاڑیوں کو تباہ کرنے کا دعویٰ کیا ہے، اس کے علاوہ ۷۵۲۲ افغان فوجیوں اور پولیس اہلکاروں کو بھی مارنے کا دعویٰ کیا ہے۔ طالبان کے ترجمان ذبیح اللہ مجاہد نے کہا کہ مذکورہ اعداد و شمار میں کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ ناٹو، امریکہ اور افغان اہلکار نقصانات کے اعداد و شمار اس سے بہت کم بتاتے ہیں۔

شیکھاوت کی ضد سے پارٹی پریشان

نئی دہلی- سابق صدر جمہوریہ بھیروں سنگھ شیکھاوت اور بی جے پی کے درمیان اس وقت چپقلش میں مزید اضافہ ہوگیا جب بی جے پی نے لوک سبھا الیکشن لڑنے کی دعویداری کو مسترد کردیا۔ جب کہ شیکھاوت الیکشن لڑنے پر بضد ہیں۔ انھوں نے بی جے پی کو آڑے ہاتھوں لیتے ہوئے کہا کہ اس سے ٹکٹ کس نے مانگا، انھوں نے آزادانہ امیدوار کی طرح الیکشن لڑنے کا اشارہ دیا۔ واضح رہے کہ اگر مسٹر شیکھاوت اور مسٹر ایل بہاری باجپئی الیکشن لڑتے ہیں تو وزارت عظمیٰ کے لئے مسٹر ایل کے اڈوانی کی امیدواری خطرے میں پڑ سکتی ہے۔

غزہ کی صورتحال ناقابل برداشت

دہلی- انڈین یونین مسلم لیگ کے صدر اور امور خارجہ کے وزیر مملکت ای احمد نے کہا کہ بین الاقوامی برادری خاص طور پر امریکہ اسرائیل پر دباؤ ڈال کر غزہ میں جلد از جلد جنگ بندی کرانے کے لئے مجبور کرے۔ غزہ میں اسرائیل کے ہاتھوں جس طرح بے گناہوں اور معصوموں کا قتل ہورہا ہے اسے کوئی بھی مہذب معاشرہ برداشت نہیں کرسکتا۔

○

خودشناسی یعنی اپنے آپ کو جاننا اور اپنی حقیقت کو پہچاننا ہر فرد اور قوم کی ایک ایسی ضرورت ہے کہ اس کے بغیر اپنی زندگی کے مقاصد اور اہداف کا فہم حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور جب مقاصد یا اہداف کا فہم ہی نہ ہو تو پھر زندگی اور جہاد زندگی کی کوئی جہت متعین نہیں ہوسکتی۔ اس لئے فرد یا قوم آوارہ گردی کا شکار ہوجاتی ہے۔ زمانہ اور ہوائیں اسے کبھی اس رخ پر کبھی اس رخ پر بہائے لے جاتی ہیں، بجائے اس کے وہ خود اپنے متعین رخ پر چلے اور زمانے کی بھی رہنمائی کرے۔

مسلمان، جو کہ معروف معنی میں کوئی قوم نہیں، بلکہ امت ہیں، ان کے سامنے آج بے شمار مسائل ہیں اور بڑے سنجیدہ چیلنجز انہیں درپیش ہیں۔ لیکن ان کا بنیادی مسئلہ داخلی طور پر بھی یہ ہے کہ وہ اپنے وجود کی اہمیت اور اس کے مقصد کے شعور سے، عمومی طور پر، بے بہرہ ہیں۔ انہیں خودشناسی کی ضرورت ہے۔ خود اپنے بارے میں ایسا واضح تصور، جو کہ ان کے تمام اعمال زندگی پر چھا جائے، ان کے ذہن پر ابھرنا ضروری ہے، کیوں کہ یہ ان کے لاشعور کی وادیوں میں کہیں کھو گیا ہے، جس کی وجہ سے ان کے افکار و اعمال پراگندہ ہیں۔ ان میں اتحاد فکر و عمل قائم نہیں ہو پا رہا ہے اور وہ کسی متعین سمت میں رواں ایک قافلہ نہیں بن پا رہے ہیں۔ نئی نسل جو کہ جدید تعلیم یافتہ ہے یا پھر علم و تعلیم سے ہی بے گانہ ہے، اس کے تو لاشعور میں بھی یہ تصور داخل نہیں ہو رہا ہے۔ اس لئے علماء امت اور مفکرین ملت کو عامۃ المسلمین کے اندر خودشناسی کی رو رواں کرنا چاہئے۔

ہم اس زمین پر نغمۂ لا الٰہ الا اللہ کے مغنی ہیں، جس کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا ہے کہ: ع ۔ یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند۔ بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الا اللہ۔ یہ کلمہ اور یہ صدا اس کائنات کا سب سے بڑا سچ ہے۔ اور یہ ایک ایسا کلمہ ہے کہ اس سے بڑھ کر افضل و اولیٰ کوئی بات نہیں۔ اس کلمہ کو دنیا میں جاری اور ساری کرنے کے لئے ہی اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا ہے۔ اس کلمہ میں ایک طرف اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کے الٰہ ہونے کا اقرار و اعلان ہے اور دوسری اس کے ماسوا ہر ہستی یا شئے کے الٰہ ہونے کا انکار ہے۔ یہ اس بات کا اعلان و اظہار ہے کہ انسان کو جس ہستی کی بڑائی تسلیم کرنی چاہئے، جس کی بندگی اور غلامی بجالانی چاہئے، جس کی پرستش کرنی چاہئے، جس کی رضا کے لئے جینا چاہئے، جس کی محبت میں مرنا چاہئے، جس کے خوف میں مبتلا رہنا چاہئے، جس کی نیاز مندی کو اپنے لئے شرف و عزت سمجھنا چاہئے اور جس کی معصیت پر ذلت و شرمندگی محسوس کرنی چاہئے، وہ ہستی صرف اور صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ہے، اور اس کے علاوہ کوئی بھی یہ حق نہیں رکھتا کہ یہ جذبے اور اعمال اسے پیش کئے جائیں۔

چنانچہ یہ کلمہ انسانوں کو اپنے جیسے انسانوں کی، خود اپنی نفس کی، خود سے حقیر دیگر مخلوقات کی، کائنات میں موجود مرئی اور غیر مرئی قوتوں کی، فطرت اور فطرت کے مظاہر کی، ہوا، پانی اور روشنی کی، سورج اور چاند ستاروں وغیرہ کی، غلامی سے آزاد کرانے کا منشر ہے۔ ہم اس کلمے کے حامل ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم انسانوں کو ہر طرح کی غلامی سے نکالنے کی عظیم ذمہ داری کے حامل ہیں۔ ہم اقرار و انکار کی ایک عالم گیر تحریک کے علمبردار ہیں۔ ہم ایک عظیم کارروان ہیں، جس کی منزلیں ستاروں سے بھی بلند تر ہیں۔

پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گرد راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

اس عظیم ذمہ داری کے حامل ہونے کی بنا پر ہم "خیر امت" ہیں۔ اور صحابی رسول حضرت ربعی ابن عامر کے الفاظ میں: "اللہ نے ہمیں بھیجا ہے اور وہی ہم کو لایا ہے۔ تاکہ ہم ہر اس شخص کو کہ جس کو اللہ چاہے بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں لے آئیں اور دنیا کی تنگیوں سے نکال کر اس کی وسعتوں میں لے آئیں اور تمام مذاہب و ادیان کے ظلم و ستم سے نکال کر اسلام کے عدل و انصاف میں لے آئیں۔ اس اللہ نے ہمیں اپنا دین دے کر اپنی مخلوق کی طرف بھیجا ہے تاکہ ہم اس کی مخلوق کو اس کے دین کی طرف بلائیں۔"

ہمارے نزدیک ساری انسانیت اللہ کا کنبہ ہے۔ تمام انسان حضرت آدمؑ و حواؑ کی اولاد ہیں۔ رنگ و نسل، حسب و نسب، امارت و غربت، معاشی و مادی ترقی یا پسماندگی اور

مسلمانوں کو خودشناسی و خوداحتسابی کی ضرورت

ڈاکٹر منظور عالم

جغرافیائی اختلاف جیسی بنیادوں پر انسانوں کو اشرف و ارذل ہم نہیں سمجھتے، اور ان کے بنیادی حقوق میں ہم کوئی فرق نہیں کرتے۔ ہمارے نزدیک انسانوں میں عزت و شرف اور بڑائی کا معیار وہ ہے جو اللہ نے قرار دیا ہے۔ یعنی اللہ کا تقویٰ۔ اللہ سے خوف کھانے، اس کی ناراضگی سے بچنے، اس کی مرضی و منشاء کے مطابق اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ سنوارنے، زندگی کو اس کی ہدایات کا زیادہ سے زیادہ پابند بنانے، اس کے نازل کردہ دین کے مطابق دنیا کو ترقی دینے، اس کی مخلوق کی خدمت کے لئے وسائل کو تلاش کرنے اور فراہم کرنے میں اور اس کی حکمرانی کو دنیا میں نافذ کرنے کے لئے جو جتنا پیش پیش ہوگا وہ اتنا ہی زیادہ عزت و اکرام کا حقدار ہوگا۔

ہم وہ ہیں جو قافلۂ انسانیت کی ان تمام عظیم ہستیوں کی قدر و عزت کرتے ہیں جنھوں

دیگر کوششوں کا سوال تو بعد میں آئے گا، پوری مسلم ملت من حیث القوم اس جذبے اور شعور سے ہی بے گانہ ہے کہ صدیوں سے دبے کچلے، ذلت اور پسماندگی میں مبتلا لوگوں کو اوپر اٹھانے کے لئے ہمیں بھی کوئی رول ادا کرنا چاہئے۔ غیروں کی فکر تو کجا خود اپنے سماج میں ہم نے اس سماجی تقسیم کو لاشعوری طور پر ایک منظوری دی ہوئی ہے۔ عامۃ المسلمین کو یہ بتانے والا کوئی نہیں کہ تمھارے بیچ جو 'دھوبی' ہیں، جو 'جولاہے' ہیں، جو 'بڑھئی' ہیں، جو 'قصائی' ہیں، جو 'نائی' ہیں اور جانے کتنے تحقیر آمیز نام ہیں، جو لوگوں کے پیشوں کی وجہ سے ان کے لئے رکھ دئے گئے ہیں، یہ سب اپنے اخلاقی، انسانی، دینی اور ملی مرتبے کے لحاظ سے تمھارے برابر ہیں۔

نے انسانی زندگی کو سنوارنے اور تعمیری راستوں پر ڈالنے کی کوشش کی ہے، خواہ وہ کسی بھی زمانے میں اور کسی بھی قوم میں ہوئی ہوں۔ ان میں انبیاء و رسل بھی ہیں جن کی نشاندہی قرآن کریم میں کی گئی ہے۔ ان میں مختلف قوموں کے وہ پیشوا بھی ہیں جن کی تعلیمات میں دکھی انسانیت کی بھلائی کا سندیش ہے۔ ان میں تحقیق کار اور سائنس داں بھی ہیں اور ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو اپنی فطرت کی پکار پر سماج میں تعمیری اور مثبت کوششیں کرتے رہے ہیں۔

ہم سب کی قدر و عزت کرتے ہیں۔ انبیاء و رسل میں ہم کوئی تفریق نہیں کرتے اور کسی کو نہیں جھٹلاتے۔ جن مختلف پیشواؤں کے بارے میں ہمیں کوئی یقینی علم نہیں، ان پر ہم کوئی رائے زنی نہیں کرتے، اور جو لوگ خدا یا اس کی تعلیمات سے ناواقف یا منکر ہیں، مگر انسانیت کے لئے ان کی خدمات اور کوششیں مثبت و تعمیری ہیں، ہم ان تک خدا کا پیغام پہنچانے یا ان سے "جدال احسن" (بہترین طریقے سے مباحثہ) کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ تعلیم پہنچ جانے اور دین اسلام کو جان جانے کے بعد بھی اگر وہ دین اختیار نہیں کرتے تو ہم ان کا معاملہ اللہ کے حوالے کرتے ہیں۔ ہم اپنا عقیدہ بدلنے کے لئے کسی پر جبر نہیں کرتے، کیوں کہ ہمیں خود اللہ تعالیٰ نے یہ بتادیا ہے کہ لا اکراہ فی الدین۔

رواداری کے اس عظیم تصور کے ساتھ ہم تمام دنیا کے لئے یہ پیغام بھی رکھتے ہیں کہ کسی کو کسی پر جبر کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔ کسی کو اپنے جیسے انسانوں کو غلام بنانے یا ان کا استحصال کرنے کی آزادی نہیں حاصل ہونی چاہئے۔ کسی کو ظلم و ناانصافی کرنے کا اختیار نہیں ملنا چاہئے۔ کسی انسان کو، کسی قوم کو یا کسی ملک کو بندگان خدا پر اپنی خدائی قائم کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ دنیا میں انصاف قائم ہونا چاہئے، ہم تمام انسانوں کی انسانی حیثیت مکمل طریقے سے بحال ہونی چاہئے، اور زندگی اور اس کے وسائل کی تقسیم میں مساوات نافذ ہونی چاہئے۔ ہم خیر سگالی، رواداری اور خوش اخلاقی پر مبنی ایک پرامن معاشرہ چاہتے ہیں۔ ہم انسانی جان کا احترام چاہتے ہیں اور کسی بھی غیر قانونی یا بلا جواز شرعی قتل کو حرام سمجھتے ہیں اور ہر ناجائز قتل کو ساری انسانیت کا قتل سمجھتے ہیں۔ ہم قرآن و سنت اور شریعت اسلامیہ کی نظر میں ناجائز قتل و خوں ریزی کرنے والی ہر جماعت، ہر قوم، ہر ملک، ہر حکومت اور ہر فرد کو عبرت ناک سزا کا مستحق سمجھتے ہیں۔ ہم ہر طرح کے فتنہ و فساد کا خاتمہ چاہتے ہیں اور فتنہ و فساد کو قتل سے بھی بدتر سمجھتے ہیں۔ فتنہ و فساد کا خاتمہ خیر امت کی حیثیت سے ہماری اہم ترین ذمہ داری ہے۔

فکر و عمل کا یہ فلسفہ ہمیں جس ہستی کے ذریعے ملا ہے اور جسے ہم اپنا رہنما اور قائد سمجھتے ہیں، اس ہستی کا خطاب رحمۃ للعالمین ہے۔

یعنی وہ نہ صرف انسانی دنیا، بلکہ چرند و پرند کی دنیا، حیوانات و بہائم کی دنیا، نباتات و جمادات کی دنیا، ریگ و بیابان کی دنیا، ارضیات و فلکیات کی دنیا اور ہر وہ دنیا جو نظام شمسی سے بھی باہر دریافت ہوئی ہو یا آئندہ ہو، ان سب کے لئے اپنی عملی و قولی تعلیمات و ہدایات کی رو سے باعث رحمت ہے۔ اس لئے ہم بھی دنیا کے لئے رحمت ہیں۔ ہم دنیا اور اہل دنیا کے محسن و خیرخواہ ہیں۔ ہم عالم انسانیت کا سب سے قیمتی اثاثہ ہیں۔ ہم دنیا میں ہیں تو دنیا روشن ہے، ہمارے بغیر یہ محفل دنیا بالکل تاریک ہے۔ ہم رہیں گے اور چلیں گے تو یہ دنیا رہے گی اور چلے گی، ہم رکیں گے اور مٹیں گے تو یہ دنیا فنا ہوجائے گی۔

ہم سے روشن ہے چراغ محفل ہستی۔

قسمت عالم کا مسلم، کوکب تابندہ ہے
جس کی تابانی سے افسون سحر شرمندہ ہے
میری ہستی پیرہن عریانی ، عالم کی ہے
میرے مٹ جانے سے رسوائی بنی آدم کی ہے

اپنی اس حیثیت کا شعور ہم مسلمانوں اور ہماری نئی نسلوں کو حاصل ہونا چاہئے۔ ہمیں خود اپنے آپ کو دریافت کرنا چاہئے۔ "کھوئے ہوئے کی جستجو" ہمارے اندر پیدا ہونی چاہئے اور "آتش رفتہ کا سراغ" ہمیں پھر لگانا چاہئے۔ ہمارے اندر خودشناسی کی یہ رو، برق بن کر جب دوڑے گی تو ہمارے بجھے ہوئے چراغ جلیں گے۔ جن سے اندھیرا چھٹے گا اور دنیا میں روشنی پھیلتے پھیلتے آخرکار منور ہوجائے گی۔

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

خودشناسی کے اس کینوس کو ہمیں آئینہ بناکر بھی اپنے سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ ہمیں اپنی موجودہ صورت اس میں صاف صاف نظر آئے، اور وہ سارے داغ دھبے ہمیں دکھائی دینے لگیں جو آئینہ پر گرد لگ جانے کی وجہ سے ہمیں دکھائی نہیں دے رہے ہیں۔ اور ہماری بدنما صورت سے شیطان دنیا کو گھن دلا رہا ہے۔

خوداحتسابی

حاسبوا قبل ان تحاسبوا۔ یعنی اپنا احتساب کرو اس سے پہلے کہ تمہارا احتساب کیا جائے۔ یہ بڑی اہم بات ہے اور ایک ایسا اہم فلسفہ ہے جو زندگی کو منظم اور مربوط رکھنے کی بنیاد بنتا ہے۔ اس فلسفۂ احتساب کی اولین بات تو یہ ہے کہ دنیا میں انسان کا کوئی بھی عمل

اور رویہ بے نتیجہ نہیں ہے۔ ہر عمل ایک علیم و خبیر ہستی کی نگاہ میں ہے، اور اس کے قائم کئے ہوئے نظام کے مطابق ہر انسان کا نامۂ اعمال مرتب ہو رہا ہے۔ وہ علیم و خبیر ہستی یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ یہ نامۂ اعمال انسانوں کو اس دن دکھادے گا جس دن وہ ان کے اچھے یا برے انجام کا فیصلہ انہیں سنائے گا۔ آخرت کے اس تصور پر ہم مسلمانوں کا ایمان ہے، اگرچہ آخرت میں اپنے انجام کو لیکر ہماری فکرمندی ویسی نہیں ہے جیسی ہونی چاہئے۔ لیکن احتساب کا یہ معاملہ محض آخرت پر ہی موقوف نہیں ہے۔

عدل و انصاف فقط حشر پہ موقوف نہیں
زندگی خود بھی گناہوں کی سزا دیتی ہے

اللہ نے اس دنیا کو بھی مکافات عمل کی دنیا بنایا ہے۔ یعنی اعمال، رویے اور کارروائیاں اپنے ایک فطری نتیجے کو برآمد کرتے ہیں۔ ایک اچھا اور مثبت عمل انسان کی داخلی کیفیت سے لیکر خارجی ماحول تک ایک اچھا اثر پیدا کرتا ہے، اور ایک برا اور منفی عمل داخل اور خارج ہر جگہ خرابی پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔ اگرچہ یہ ہوسکتا ہے کہ کسی اچھے یا برے عمل کا فطری نتیجہ بروقت محسوس نہ ہو، یا کبھی کسی عمل کا بظاہر الٹا نتیجہ دکھائی دے۔ چنانچہ افراد اور ان کے گروہ وقت اور زمانے کے ہاتھوں اپنے اعمال کے نتائج بھگتتے رہتے ہیں۔ یہ بھی ایک احتساب ہے۔ اس احتساب کا اہتمام بھی اللہ تعالیٰ نے کیا ہے، اور اس لئے کیا ہے کہ اس احتساب کے ذریعے لوگ اگر خود کو درست کرلیں تو بڑے احتساب کے دن سے وہ بچ جائیں۔ لہٰذا ہم مسلمانوں کو

چاہئے کہ بحیثیت مجموعی اپنے اوپر گزرنے والے بظاہر برے وقت کو زمانے کا احتساب سمجھتے ہوئے ہم اپنی خوداحتسابی کی طرف متوجہ ہوں۔

فطرت افراد سے اغماض تو کرلیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

ہم مسلمان اپنے نظریات اور اصولی حیثیت کے تناظر و تقابل میں اپنی عملی زندگی کا جائزہ لیں اور یہ دیکھیں کہ ایک امت کی حیثیت سے ہمارا جو کردار متعین ہے ہم اسے کس قدر نبھا رہے ہیں۔ خودشناسی کے ذیل میں یہ ذکر کیا گیا تھا کہ ہم زمین پر اللہ کی وحدانیت کے علمبردار ہیں۔ توحید ہمارا عقیدہ ہے، فلسفہ ہے اور ہمارے ہر انفرادی اور اجتماعی عمل کی بنیاد ہے۔ ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ اس عقیدے اور فلسفے کی پیروی ہماری عملی زندگی میں کتنی ہو رہی ہے۔ کیا ہم اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کو اپنے اعمال کا محرک اور مطلوب بنارہے ہیں یا اپنے نفس کی خواہش، دنیا طلبی، جاہ و حشمت کی حرص، منصب اور عہدوں کا لالچ، اقتدار کی چاہت اور دنیا میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے یا غالب آجانے کی آرزو ہمارے اجتماعی یا انفرادی رویے کی بنیاد بنتی ہے۔ انفرادی معاملات سے قطع نظر اجتماعی معاملات میں ہی ہم دیکھیں کہ ہمارا شعور کس طرح کام کرتا ہے۔ ایک پہلو تو عقیدے کی بحث ہے کہ عقیدۂ توحید کو ہم خالص قرآن و سنت کی روشنی میں اختیار کرتے ہیں یا اس میں غلط نظریات و تصورات کی آمیزش کی ہوئی ہے۔ یہ پہلو تو خود اپنے آپ میں ایک طویل موضوع ہے۔ لیکن بحث و نزاع

سے بالاتر توحید کے وہ پہلو جو ہماری زندگی کو متاثر کرتے ہیں، ان میں ہمارا یا ہم میں سے اکثر کا معاملہ یہ ہے کہ۔

سیکڑوں بت ہیں صنم خانے میں!

ہمیں دنیا میں اس لئے بھیجا گیا تھا کہ ہم لوگوں کو اللہ کی بندگی کی طرف دعوت دیں، دنیا کی تنگیوں سے نکال کر اس کی وسعتوں کی طرف لائیں اور مذاہب و ادیان کے ظلم و ستم سے نکال کر اسلام کے عدل و انصاف میں لے آئیں۔ ہم تمام لوگوں کو وحدت الٰہ کے ساتھ ساتھ وحدت انسانیت کا درس دیں۔ یعنی یہ بتائیں کہ سارے انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔ رنگ و نسل یا پیدائش کی

بنیاد پر کوئی چھوٹا بڑا نہیں ہے۔ لیکن بجائے اس کے ہم خود ہی زمانے کی بندگی میں لگ گئے۔ ہم خود وسعتوں سے تنگیوں کی طرف پلٹ آئے۔ چھوٹے چھوٹے اور تنگ نظریات کے دائروں میں رہنے والے سیکڑوں گروہوں اور فرقوں میں تقسیم ہوگئے۔ فرقوں پر ہی بس نہ رہا، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ذاتوں، برادریوں اور قبائل کے دائروں میں بھی سمٹ گئے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ جو گروہ اور تنظیمیں اصلاح حال کے لئے سامنے آتی ہیں، وہ خود اپنے آپ میں ایک دائرہ بن جاتی ہیں، جن سے اوپر اٹھ کر سوچنا اور کچھ کرنا ان کے لئے مشکل یا ناممکن ہوجاتا ہے کیوں کہ اس میں اجتماعی نفسانیت در آتی ہے اور اپنا ذاتی و گروہی مفاد ملت کے مجموعی مفاد سے زیادہ عزیز ہوجاتا ہے۔ ہم نے اس ملک میں ایک طویل عرصے تک حکومت کی۔ لیکن یہاں انسانوں کے درمیان صدیوں سے چلے آرہے اونچ نیچ اور چھوا چھوت کے غیر اخلاقی اور غیر انسانی تصور کو بدل کر اسلام کے نظریۂ اخوت و مساوات کو یہاں نافذ کرنے کے لئے ہم نے کیا، کیا؟ اس میں شک نہیں کہ اسلام کی آمد اور مسلمانوں کی موجودگی کے نتیجے میں یہاں رائج بے شمار خرابیوں کی اصلاح ہوئی ہے، لیکن یہ بھی ایک سچائی ہے کہ خود اسلامی ثقافت اور نظریہ کو خرابیوں کے زیر اثر آنے سے روکنے کے لئے مسلم حکومتوں اور معاشرے نے ویسی کوشش نہیں کی جیسی ان کی ذمہ داری تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مسلم حکمرانوں کے پیش نظر اپنے ذاتی اور خاندانی سیاسی اقتدار قائم کرنا تھے، اسلام کے نظام امن و رحمت کو یہاں نافذ کرنا ان میں سے اکثر کا مقصد اول نہیں تھا۔ لیکن ہم یہاں ماضی کا رونا نہیں رونا چاہتے، بلکہ شعور و بیداری کے اس دور میں اپنے عمل اور رویے کا احتساب ہمیں کرنا چاہئے۔

ملک کے دلت اور پسماندہ طبقوں کو دوسرے انسانوں کے مساوی مقام دلانے میں آج ہماری کوششیں کیا ہیں۔ دیگر کوششوں کا سوال تو بعد میں آئے گا، پوری مسلم ملت من حیث القوم اس جذبے اور شعور سے ہی بے گانہ ہے کہ صدیوں سے دبے کچلے، ذلت اور پسماندگی میں مبتلا لوگوں کو اوپر اٹھانے کے لئے ہمیں بھی کوئی رول ادا کرنا چاہئے۔ غیروں کی فکر تو کجا خود اپنے سماج میں ہم نے اس سماجی تقسیم کو لاشعوری طور پر ایک منظوری دی ہوئی ہے۔ عامۃ المسلمین کو یہ بتانے والا کوئی نہیں کہ تمھارے بیچ جو 'دھوبی' ہیں، جو 'جولاہے' ہیں، جو 'بڑھئی' ہیں، جو 'قصائی' ہیں، جو 'نائی' ہیں اور جانے کتنے تحقیر آمیز نام ہیں، جو لوگوں کے پیشوں کی وجہ سے ان کے لئے رکھ دئے گئے ہیں، یہ سب اپنے اخلاقی، انسانی، دینی اور ملی مرتبے کے لحاظ سے تمہارے برابر ہیں۔ تم ایک دوسرے کو تحقیر آمیز نام نہ دو۔ آپس میں ایک دوسرے کو اونچا نیچا نہ سمجھو۔ کسی کے پیشے کو برا نہ سمجھو۔ اور کوئی پیشہ کسی کے لئے خاص نہ سمجھو۔

ہمارے یہاں تو یہ ہوا کہ پچھلے زمانے کے اہم لوگوں نے لوگوں کے پیشوں کے لحاظ سے ان کے سماجی مرتبے کی پہچان کی، اور اسلام کے نظریۂ کفائت کو برتنے کے لئے ان پیشوں کو بنیاد بنالیا۔ یہ یقیناً ایک غلطی تھی، جس کے اثرات مسلم معاشرے میں بڑے گہرے پڑے ہیں۔ اسلام کا نظریۂ کفائت فرد یا

مسلم معاشرہ، مسلم ادارے و مسلم تاجران وصنعت کار اس پوزیشن میں کیوں نہیں ہیں کہ مختلف قسم کے حقوق کے لئے کام کرنے والے لوگوں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کو خود وہاں سے ایک رہنمائی حاصل ہو! اور وہ دیکھیں کہ جن حقوق کی بات ہم آج کر رہے ہیں ان حقوق کو مسلم امت اپنی دینی تعلیمات کی رو سے پہلے سے ہی، اور ہم سے بہتر انداز میں برت رہی ہے۔ ہم مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ ہم میں سے کچھ لوگ ان قوانین سے بھی بچ نکلنے کی کوشش کرتے ہیں جو عین اسلامی تعلیمات و ہدایات کے مطابق ہوتے ہیں اور معاشرے کی فلاح کے لئے بنائے جاتے ہیں۔

خاندان کی اخلاقی، علمی، معاشرتی اور عادتی ہم آہنگی پر ہے۔ اور یہ رشتۂ ازدواج کے لئے کوئی لازمی شرط بھی نہیں ہے۔ اصل چیز یہ اندازہ اور امکان ہے کہ رشتۂ ازدواج میں بندھنے والے دونوں افراد ایک دوسرے کے ساتھ نباہ کرسکتے ہیں یا نہیں۔ ٹھیک اسی طرح کہ کسی ایک ہی خاندان کے دو افراد جن کے درمیان مزاج، اخلاق اور برتاؤ میں بہت زیادہ فرق ہو، اور ان کے درمیان رشتہ قائم رہنے کی امیدیں بہت کمزور ہوں، تو وہ ایک دوسرے کے کفو نہیں کہے جاسکتے۔

مختصر یہ کہ ہم نے غیر مسلم سماج میں اونچ نیچ کی تقسیم کو ختم کرنے کے لئے تو کوئی شعوری

کوشش کی نہیں، خود اپنے سماج میں طبقاتی درجے بنالئے۔ آج جبکہ جدید تعلیم، جدید معاشرت اور جدید معاشی سرگرمیوں کی وجہ سے شہروں میں عموماً لوگوں کے سماجی مرتبوں کی پہچان ان کے روایتی اور خاندانی پس منظر سے الگ ہونے لگی ہے تو بھی ہمارے رویوں میں فرق نہیں آرہا ہے۔ لوگ ایک دوسرے کو برادری اور قبیلے کی نظر سے دیکھ کر پسند یا ناپسند کرتے ہیں۔ یہ افسوسناک صورت حال ہے جس کا ہمیں ادراک و احساس کرنا چاہئے۔ برادری اور قبیلے کی بنا پر ایک دوسرے کو اونچا اور نیچا سمجھنے کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے سے بے گانہ ہیں۔ اور ہر قبیلہ اور ہر فرد اپنی فلاح و بہبود کے لئے خود اپنے آپ پر ہی انحصار کررہا ہے۔ چنانچہ برادریوں کے نام پر تنظیمیں بن رہی ہیں اور اپنے سیاسی و سماجی حقوق کے لئے ایک دوسرے سے کشمکش کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ بحیثیت ملت اجتماعی کوششوں کے مقابلے آپس میں ہی مسابقت ہو رہی ہے۔

ہمارا معاشرہ بے شمار قسم کی ان برائیوں میں مبتلا ہے، جن سے نکالنے کے لئے اسلام آیا۔ ان برائیوں کے خاتمے کے لئے ہماری کوششیں عموماً ناکام ہوجاتی ہیں کیوں کہ ان برائیوں کا احساس دلانے والے اور انہیں ختم کرنے والے لوگ عموماً خود ہی ان میں الجھے ہوئے ہوتے ہیں اور ان سے اپنا دامن نہیں بچا پاتے۔ اصلاح معاشرہ کے کتنے ہی مسائل صرف اسی وجہ سے جوں کے توں بنے ہوئے ہیں۔ آج ہم ملت کی غربت اور معاشی ابتری کا رونا تو رو رہے ہیں، لیکن تصویر کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ ملت خرافات، بے جا تقریبات اور غیر ضروری رسوم و رواج میں خطیر رقم صرف کررہی ہے۔ رسوم و رواج اور تقریبات ہمارے یہاں ایک اسٹیٹس سمبل بن گئے ہیں اور ہر آدمی اپنا اسٹیٹس دکھانے اور ثابت کرنے کے لئے اپنی حیثیت سے آگے بڑھ کر دکھاوا کررہا ہے۔ دولت کے اسراف اور بے جا استعمال کا ایک پہلو وہ بھی ہے جو تنظیموں اور جماعتوں سے جڑا ہوا ہے۔ تنظیمیں اور جماعتیں خود کو ایک دوسرے سے بڑا دکھانے کے لئے

باقی صفحہ ۵ پر

اخلاص کی قوت

مولانا اسجد قاسمی ندوی

اخلاص اور بے لوثی حیات انسانی کا سب سے بیش قیمت جوہر ہے۔ اخلاص کے بے شمار ثمرات اور خوشگوار نتائج ہیں۔ ان ثمرات میں ایک نمایاں چیز وہ روحانی ناقابل تسخیر قوت ہے جو صاحب اخلاص کو من جانب اللہ عطا ہوتی ہے۔ زندگی کے وہ بلند ترین اہداف و مقاصد جن کے لئے انسان اپنی عمر کا اہم ترین حصہ صرف کرتا ہے اور جن کو ہمہ وقت اپنا مطمح نظر و مرکز توجہ بنائے رکھتا ہے اس کا عنوان طلب رضائے الٰہی ہے۔ رضائے الٰہی کی طلب کا جذبہ انسان کے اندرون میں عجیب روحانی قوت و طاقت بھر دیتا ہے اور اس کے نتیجے میں مشکل سے مشکل تر مرحلے سر کرنا انسان کے لئے آسان ہوتا چلا جاتا ہے۔ مال و دولت، جاہ و منصب، نام و نمود، قیادت و حکومت کے آرزومند اور ان کے لئے کوشاں افراد روحانی قوت سے محروم اور ضعف و مسکنت کی زندگی جینے پر مجبور ہوتے ہیں اور ان کی یہ کمزوری جابجا ظاہر ہوتی ہے۔ جبکہ ہر مرحلۂ حیات میں صرف اللہ کی خوشنودی کے حصول کا جذبہ رکھنے والے افراد ایسی طاقت اور قوت کے حامل ہوتے ہیں کہ دنیا کی دیگر مادی قوتوں سے ان کی روحانی قوت بڑھ جاتی ہے۔ صاحب اخلاص کو اس کے اخلاص کے نتیجے میں کس درجہ روحانی قوت ملتی ہے اس کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے جو ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سند سے نقل کی ہے:

جب اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کو پیدا کیا تو زمین لرزنے اور ہلنے لگی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پیدا کرکے انہیں زمین پر ڈال دیا، تب زمین ساکن ہوئی، پہاڑوں کو دیکھ کر فرشتوں کو تعجب ہوا، انھوں نے کہا: خدایا! کیا آپ کی مخلوقات میں پہاڑوں سے بھی مضبوط کوئی مخلوق ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ہاں! لوہا، سوال ہوا کہ کیا لوہے سے مضبوط بھی کوئی مخلوق ہے؟ فرمایا ہاں آگ، سوال ہوا کہ کیا آگ سے مضبوط بھی کوئی مخلوق ہے؟ فرمایا ہاں پانی، سوال ہوا کہ کیا پانی سے مضبوط بھی کوئی ہے؟ فرمایا: ہاں! ہوا، سوال ہوا کہ کیا ہوا سے بھی مضبوط کوئی مخلوق ہے؟ فرمایا: ہاں فرزند آدم انسان اس سے بھی مضبوط ہے، جو اللہ جل شانہ کے لئے دائیں ہاتھ سے اس طرح صدقہ کرتا ہے کہ بائیں ہاتھ تک کو خبر نہیں ہوتی"۔ (ملاحظہ ہو "النیۃ والاخلاص" قرضاوی، بحوالہ ترمذی)

اس حدیث میں پوری صراحت کے ساتھ فرمادیا گیا ہے کہ روحانی قوت دنیا کی تمام مادی قوتوں سے بڑھ کر ہے۔ انسان کے ایمان و اخلاص کی قوت سب سے بڑھ کر ہے۔ اس کے سامنے زمین کو تھامے رکھنے والے پہاڑوں کی قوت ماند ہے، پہاڑوں کو کاٹنے اور پھاڑنے والے لوہے کی قوت بے مایہ ہے، لوہے کو پگھلادینے والی آگ، آگ کو بجھادینے والے پانی، پانی کو متحرک کرنے والے پانی کی تمام قوتوں سے انسان کی وہ قوت بڑھی ہوئی ہے جو اس کے اخلاص کے فیض سے اسے ملتی ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اخلاص کی قوت اور عدیم المثال طاقت کا ذکر کرتے ہوئے ایک واقعہ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک عبادت گزار کو معلوم ہوا کہ ایک درخت جاہلوں کا مرکز توجہ ہے۔ سب اس کی پوجا کرتے ہیں۔ چنانچہ اس نے کلہاڑی اٹھائی اور درخت کاٹ دینے کا عزم مصمم کرکے چل پڑا، تاکہ غیر اللہ کی تقدیس اور بندگی کا یہ سلسلہ جڑ سے ختم ہوجائے۔ راستے میں اس کی ملاقات ابلیس سے ہوئی، ابلیس نے اس ارادے سے باز رکھنا چاہا مگر عابد نہ مانا، بالآخر ابلیس اور عابد میں لڑائی ہوگئی، حسن اتفاق عابد نے ایک ہی لمحے میں ابلیس پر قابو پالیا اور اسے شکست دے دی۔ شکست خوردہ ابلیس نے زور و جبر کی تدبیر میں ناکامی پر عابد کو دوسری تدبیر سے زیر کرنا چاہا اور چکنی چپڑی باتیں چھیڑ دیں، درمیان گفتگو یہ کہا کہ عابد اس درخت کو نہ کاٹے، کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ درخت کے پجاری کل دوسرا درخت منتخب کرکے پوجنا شروع کردیں گے۔ ساتھ ہی ابلیس نے لالچ بھی دلایا کہ وہ اس کے بدلے عابد کو روزانہ دو دینار دے گا۔ روزانہ تکیے کے نیچے وہ دو دینار اسے ملا کرے گا جسے وہ اپنی اور دیگر ضرورت مندوں کی ضروریات پر خرچ کرسکے گا اور ثواب حاصل کرے گا، ابلیس مختلف طریقوں سے یہی بات عابد کو سمجھاتا رہا، بالآخر عابد تیار ہوگیا، حسب وعدہ ایک مدت تک اسے روزانہ تکیے کے نیچے سے دینار ملتا رہا، ایک مدت کے بعد ایک دن عابد کو تکیے کے نیچے سے دینار حسب عادت نہ ملا، اس نے کچھ دن صبر و انتظار کیا، مگر جب نہ ملنے پر کئی دن گزر گئے تو عابد کو تاؤ آیا اور وہ کلہاڑی لے کر پھر اسی درخت کو کاٹنے نکلا، راستے میں پھر ابلیس نے روکا، بالآخر دونوں میں پھر لڑائی ہوئی، لیکن اس بار ابلیس غالب آگیا اور عابد شکست کھا گیا، عابد نے ابلیس سے اپنی پہلی بار فتح اور دوبارہ شکست کا راز دریافت کیا تو ابلیس نے بتایا کہ پہلی بار تمہارا غصہ اللہ تعالیٰ کے لئے تھا اور اسی وجہ سے تم کو ناقابل تسخیر روحانی طاقت میسر تھی۔ اس لئے میں تم سے شکست خوردہ ہوگیا، مگر دوبارہ تمہارا غصہ اللہ کے لئے نہیں بلکہ دینار کے لئے تھا جس نے تم کو قوت سے محروم کردیا، اسی لئے تم شکست خوردہ ہوگئے۔

(احیاء العلوم: ۳/باب الاخلاص)

اس طرح اخلاص اور عدم اخلاص کا فرق واضح ہوگیا، اخلاص کی طاقت اور عدم اخلاص کی صفت نمایاں ہوگیا، اخلاص کے جوہر سے مالا مال انسان نہ کسی کے دام تحریص میں پھنستا ہے اور نہ کسی کے دباؤ میں آتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی دولت، مال، جمال، منصب سب کی پیشکش رکھی گئی تھی مگر آپ کا جواب پوری پختگی کے ساتھ یہی تھا کہ چاند سورج ہاتھ میں رکھ دیئے جائیں تب بھی اپنے مشن سے دستبرداری گوارا نہیں ہے۔ یہ دوٹوک جواب آپ کے اندرون کی قوت اخلاص اور طاقت ایمان کا مظہر تھا۔ اخلاص کی یہ قوت ہر کس وناکس کو نہیں صرف فکر آخرت سے سرشار افراد کو ملتی ہے اور قرآن و سنت کی زبان میں وہی افراد قابل فخر و رشک اور لائق صد تقلید ہیں۔

●●

دعوت

۱۳ر جنوری ۲۰۰۹ء

ایک معقول مطالبہ

ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی (مارکسی) نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ اسے اسرائیل کے ساتھ فوجی نوعیت کے تمام تعلقات توڑ لینے چاہئیں۔ اس نے اسی پر بس نہیں کیا ہے بلکہ ساتھ ہی یہ مطالبہ بھی کیا ہے کہ اسے اسرائیلی جارحیت کے خلاف آواز بھی اٹھانی چاہئے اور عالمی سطح پر رائے عامہ بھی ہموار کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ پارٹی کی مرکزی فیصلہ ساز کمیٹی کے ایک خصوصی اجلاس میں منظور کی جانے والی قرارداد میں یہ بات کہی گئی ہے۔ قرارداد میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ڈاکٹر منموہن سنگھ کی حکومت کی پہچان اسرائیل کی حامی کی بن چکی ہے اور یہ حکومت ہندوستان کو بھی اسرائیل کا اتحادی بنانا چاہتی ہے۔۔ یہ ہندوستان کے لئے زبردست نقصاندہ ہے اور ہندوستان کے روایتی موقف سے بھی یہ انحراف کے مترادف ہے۔ ہندوستان کا روایتی موقف اسرائیل کی حمایت نہیں بلکہ فلسطین کی حمایت کا رہا ہے۔ ہندوستان، اسرائیل کو ایک جارح اور غاصب قوت سمجھتا ہے اور مسئلہ فلسطین کا حل فلسطینیوں کی خواہش کے مطابق کرنے کا حامی رہا ہے۔ وہ فلسطینیوں کی جدوجہد آزادی کا ہمیشہ سے حامی رہا ہے۔ لہٰذا اسے یعنی ہندوستان کو اپنے اس روایتی موقف پر قائم رہتے ہوئے اسرائیل کی جارحانہ کارروائیوں کی نہ صرف پرزور مذمت کرنی چاہئے بلکہ اس سلسلے میں عالمی سطح پر رائے عامہ بھی ہموار کرنی چاہئے اور مظلوم فلسطینیوں کا کھل کر ساتھ دینا چاہئے۔

قرارداد میں کہا گیا ہے کہ اسرائیل جس طرح کی درندگی کا مظاہرہ کر رہا ہے اور جس طرح معصوم فلسطینیوں پر بم برسا رہا ہے اور ٹینکوں سے گولے داغ رہا ہے اس کا تقاضا ہے کہ کانگریس کی سربراہی والی مرکزی حکومت نہ صرف یہ کہ اس کی کھل کر مذمت کرے بلکہ اس جارحیت کے خلاف اور فلسطینیوں کے ساتھ اظہار یکجہتی کے طور پر اسرائیل کے ساتھ ہر طرح کے عسکری تعلقات اور معاہدوں کو توڑ لے اور اس پر یہ واضح کردے کہ وہ کسی بھی حال میں کسی جارح اور غاصب طاقت کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اسی طرح فلسطینیوں کو یہ باور کرادے کہ وہ ہر حال میں ان کے ساتھ ہے۔ ہندوستان کو اس غیرانسانی اور وحشیانہ اسرائیلی کارروائی کی حمایت نہیں کرنی چاہئے یہاں تک کہ اس کے کسی بھی عمل سے یہ ظاہر نہیں ہونا چاہئے کہ وہ اس وحشیانہ کارروائی کی تائید کرتا ہے۔ قرارداد میں اس کا مطالبہ بھی کیا گیا ہے کہ اس کو اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے ترقی پذیر دنیا کو بھی اس سلسلے میں متحرک اور فعال بنانا چاہئے اور ایسا ماحول بنانے کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ فوری طور پر فائر بندی ہوسکے اور آزاد فلسطینی ریاست کی تشکیل کے لئے راہ ہموار ہوسکے۔ ترقی پذیر دنیا کو اسے اس کے لئے تیار کرنا چاہئے۔ ہندوستان کے عوام پوری طرح اہل فلسطین کے ساتھ ہیں اور ان کی تمام تر ہمدردیاں فلسطینیوں کے ساتھ ہیں۔ وہ آزاد فلسطین کی جدوجہد کو بھی درست جانتے ہیں اور فلسطینیوں کا اسے جائز حق مانتے ہیں۔ قرارداد میں فلسطینیوں کے ساتھ اظہار ہمدردی کے ساتھ انسانی بنیادوں پر ان کی اخلاقی و مادی حمایت کی اپیل بھی کی گئی ہے۔

مسئلہ فلسطین کے سلسلے میں ہندوستان کا روایتی موقف تو وہی رہا ہے جس کا ذکر ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی (مارکسی) کی قرارداد میں کیا گیا ہے تاہم اسرائیل کے ساتھ تعلقات کی بھی ایک تاریخ رہی ہے۔ یہ تعلقات اس وقت بھی تھے جب ہندوستان نے ابھی اسرائیل کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ اب یہ باتیں عام ہوچکی ہیں۔ دونوں ملکوں کے درمیان درپردہ تعلقات طویل عرصے سے قائم ہیں۔ یہاں ایک طبقہ ایسا ہمیشہ سے موجود رہا ہے جو اس کا زبردست خواہاں رہا ہے کہ ہندوستان اور اسرائیل کے درمیان گہرے دوستانہ تعلقات قائم رہیں اور ہندوستان کو اسرائیل سے ہر قسم کے فائدے اٹھانے چاہئیں۔ لہٰذا تعلقات کی یہ دونوں سطحیں برابر چلتی رہیں۔ جو طبقہ اس کا خواہاں رہا ہے اور اس کے لئے کوشاں بھی رہا ہے اس کا کہنا ہے کہ قومی مفاد مقدم ہے لہٰذا خارجہ پالیسی کا بنیادی نکتہ قومی مفاد میں ہونا چاہئے۔ اصولی اور اخلاقی نقطۂ نظر موخر ہے اور قومی مفاد کے تابع ہے۔ حالانکہ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ ظالم کو ظالم کہا جائے، جہاں کہیں بھی استحصال، ظلم اور زیادتی ہورہی ہو اس کے خلاف آواز بلند کی جائے اور اس کے خاتمے کے لئے کوشاں بھی رہا جائے۔ مسئلہ فلسطین کے سلسلے میں جو سرکاری موقف ہے وہ اس اصول پر مبنی ہے اور ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی (مارکسی) اپنے اس مطالبے میں حق بجانب ہے کہ ظالم کو ظالم کہا جائے، اس کے ساتھ رشتہ و تعلق میں بھی اس کو ملحوظ رکھا جائے۔

لڑائی کا انجام اسرائیل کے حق میں ہوگا یا حماس کے؟

غزہ میں اسرائیل کی چال الٹی پڑسکتی ہے۔ وہ اب تک حماس کو جس سفارتی منظوری اور ایک اہم طاقت منوانے سے روکنے میں کامیاب تھا، اب حالات بدل رہے ہیں

دو ہفتے سے جاری اسرائیل۔ حماس جنگ کا انجام کیا ہوگا یہ تو ابھی تک نہیں کہا جاسکتا۔ فی الحال تو دنیا یہی دیکھ رہی ہے کہ بین الاقوامی برادری کی طرف سے جنگ بندی کی کوششیں بہت دھیمی رفتار سے کی جارہی ہیں جس کی وجہ سے اب تک ۲۵۷ بچوں سمیت پونے آٹھ سو فلسطینی شہید اور اس سے تقریباً چار گنا زخمی ہوچکے ہیں۔ غزہ کے اسپتال لاشوں اور زخمیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ اسرائیلی فوج نے اقوام متحدہ کے اسکول اور ریڈکراس کے ٹرکوں و کیمپوں پر حملے کرکے اور دو درجن سے زائد مساجد کو شہید کرکے ظاہر کردیا کہ اس کی بربریت و جارحیت سے غزہ میں کوئی محفوظ نہیں ہے۔ اسرائیل یہ کہہ کر اپنی تسکین تو کرسکتا ہے کہ ہلاک ہونے والوں کی اکثریت کا تعلق حماس سے ہے لیکن انسانی حقوق کی تنظیموں کے اس دعوے کو مسترد نہیں کرسکتا کہ چالیس فیصد سے زیادہ ہلاک ہونے والے عام لوگ ہیں اور ان میں بھی زیادہ تر خواتین و بچے ہیں۔ جہاں تک راکٹ حملے کی حماس کی صلاحیت کا تعلق ہے جسے بہانہ بناکر اسرائیل نے مذکورہ جنگ تھوپی تھی، فضائی، بحری اور زمینی کارروائی کے باوجود ختم نہیں ہوئی ہے۔ اب بھی اسی رفتار سے حماس کی طرف سے راکٹ حملے کئے جارہے ہیں جس رفتار سے جنگ کے آغاز کے وقت کئے گئے تھے جس سے اسرائیل کا بھی کافی جانی و مالی نقصان ہورہا ہے لیکن سنسر ہونے کی وجہ سے اس کی صحیح رپورٹ نہیں آرہی ہے۔

۲۰۰۶ء میں حزب اللہ کی طرح یہاں بھی اسرائیل حماس پر حملے کرکے بری طرح پھنس گیا۔ جس طرح وہ حزب اللہ پر حملے کرکے اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں ناکام رہا تھا اور اسے اخلاقی طور پر شکست ہوئی تھی۔ یہاں بھی حماس کی کمر توڑنے میں ابھی تک ناکام ہے۔ وہ راکٹ حملوں کو بھی بند نہیں کراسکا اور اپنے ایک مغویہ فوجی کو بھی حماس کی قید سے رہا نہیں کراسکا اور دنیا میں یہ ظاہر کردیا کہ جس طرح لبنان میں حزب اللہ ایک اہم طاقت ہے جسے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا اسی طرح فلسطین میں بھی حماس ایک اہم طاقت ہے جو دو برسوں کے بائیکاٹ اور جنگ کے باوجود ختم نہیں ہوئی۔ اگرچہ اسرائیل نے اس کی بہت بڑی قیمت فلسطینیوں سے وصول کی۔ ان کی ناکہ بندی کرکے ان کا جینا دوبھر کردیا۔ جنگ تھوپ کر موت کی نیند سلادیا، لیکن اسرائیل نے جانے انجانے میں حماس کو اس مقام پر پہنچادیا جس کے بارے میں نہ تو خود اس نے کبھی سوچا ہوگا اور نہ حماس نے۔

یہ معمولی بات نہیں ہے کہ ۱۹ر دسمبر ۲۰۰۸ء کو جنگ کے بعد ۲۷ر دسمبر سے شروع ہوئی غزہ کی لڑائی نے حماس کو نہ صرف اسرائیل کے مقابلے پر کھڑا کردیا بلکہ تنظیم اب بین الاقوامی سطح پر بھی اسرائیل کو منھ توڑ جواب دے رہی ہے اور دھیرے دھیرے حماس اس سفارتی منظوری کی طرف بڑھ رہی ہے جو اسرائیل کبھی نہیں چاہتا تھا لیکن اس کی ہٹ دھرمی اور غلطیوں کی وجہ سے آج حماس اس مقام کو حاصل کرنے میں کامیاب نظر آرہی ہے۔ اس کا اندازہ اسرائیل کو پہلی بار اس وقت ہوا جب حماس نے غیر مشروط جنگ بندی سے انکار کردیا اور کہا کہ کوئی بھی جنگ بندی اسی وقت ہوگی جب اسرائیلی فوج غزہ سے نکلے، غزہ کی ناکہ بندی ختم کرے اور تمام سرحدی راستوں کو کھول کر بیرونی امدادی آمد کو یقینی بھی بنائے اور بین الاقوامی برادری اس کی ضمانت بھی لے۔ ابھی ۹ر جنوری کو جب اسرائیل نے جنگ بندی سے متعلق اقوام متحدہ کی قرارداد کو مسترد کیا تو حماس نے بھی یہ کہہ کر اسے مسترد کردیا کہ وہ فلسطینی عوام کے مفاد میں نہیں ہے۔ جن مفادات کے تحفظ کی بات اب تک اسرائیل کرتا آرہا ہے اور امریکہ و مغربی ممالک اس کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے ہیں اب حماس نے بھی فلسطینیوں کے مفادات کو ترجیحی بنیاد دیکر اسرائیل اور اس کے حامی مغرب کو کٹہرے میں کھڑا کردیا ہے۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ غزہ کی لڑائی سے حماس کو فلسطین میں ایک بار پھر غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی ہے اور اسرائیل و امریکہ جس نام نہاد فلسطینی اتھارٹی اور صدر محمود عباس کو سر آنکھوں پر بٹھا کر ابھار رہے تھے، ان کی حکومت والے مغربی کنارے میں اسرائیل کی مخالفت اور حماس کی حمایت میں مسلسل ہونے والے مظاہرے الگ خطرے کی گھنٹی بجارہے ہیں۔ غزہ کے بھیانک مناظر مغربی کنارے کے لوگوں کو الفتح سے دور اور اسرائیل سے برسرپیکار حماس سے قریب کررہے ہیں۔ اخبار "انڈی پنڈنٹ" کی رپورٹ کے مطابق اگر اس کی نوبت آتی ہے کہ غزہ کی لڑائی میں حماس کو جیت ہوتی ہے تو مغربی کنارے میں صدر محمود عباس کی پریشانیاں اور بھی بڑھ سکتی ہیں اور وہاں حماس کی حامیوں کی تعداد بھی بڑھ سکتی ہے۔ (اسٹیٹس مین، ۱۰ر جنوری ۲۰۰۹ء)

ادھر برطانوی اخبار 'دی گارجین' کی رپورٹ یہ بتارہی ہے کہ جس سفارتی منظوری سے اسرائیل اب تک حماس کو روکے ہوا تھا اور بش انتظامیہ نے اپنی آٹھ سالہ حکومت میں اسرائیلی خواہش کو برقرار رکھنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی حتیٰ کہ سابق امریکی صدر کینیڈی کو بھی مشرق وسطیٰ امن مشن پر حماس سے ملنے سے روکنے کی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ حماس اس پالیسی کو بدلنے میں کامیاب ہوتی ہوئی نظر آرہی ہے۔ غزہ میں جاری لڑائی نے اسے اس مقصد کے حصول سے اور قریب کردیا ہے اور اسرائیل کی امیدوں پر پانی پھیر دیا ہے۔ بین الاقوامی برادری کی طرف سے جنگ بندی کے لئے جاری کوششوں میں فلسطینی صدر محمود عباس کے بجائے مجبوراً حماس کو ایک طاقت مان کر اس سے بات چیت کرنی پڑے گی اور حماس بھی کچھ ایسے حالات پیدا کررہی ہے کہ بین الاقوامی برادری سے الگ تھلگ کرنے کی پالیسی ترک کرکے اسے ایک طاقت مان کر سفارتی منظوری دے دے۔

لیکن اس سے زیادہ اہم خبر ۱۰ر جنوری کے ایشین ایج میں شائع ہوئی ہے جس میں سینئر امریکی ڈپلومیٹ اور نومنتخب صدر بارک اوباما کی انتظامیہ میں مغربی ایشیا کے لئے بننے والے خصوصی ایلچی رچرڈ ہاس اور امریکن اسٹرٹیجی پروگرام کے ڈائرکٹر اسٹیو کلیمنس کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ بارک اوباما انتظامیہ الگ تھلگ کرنے کی پالیسی کو ترک کرکے پچھلے دروازے سے اسی طرح حماس کے ساتھ بات چیت کرسکتی ہے جس طرح ۱۹۷۰ء میں امریکہ نے پی ایل او کے ساتھ کیا تھا۔ جس طرح آج حماس امریکہ کے نزدیک ایک دہشت گرد گروپ ہے وہی حالت ماضی میں پی ایل او کی تھی۔ اس طرح حماس کے مکمل بائیکاٹ کی بش انتظامیہ کی پالیسی تبدیل کی جاسکتی ہے۔ مسٹر اوباما یہ بات کئی بار دوہرا چکے ہیں کہ دنیا میں امریکہ کی جو امیج خراب ہوئی ہے وہ اس کی اصلاح کریں گے۔ غرضیکہ غزہ کی لڑائی میں اسرائیل ضرور فلسطینیوں اور حماس کو جانی و مالی نقصان پہنچا رہا ہے لیکن اس کی چال الٹی بھی پڑسکتی ہے۔ کچھ ایسا ہی دکھائی دے رہا ہے۔ ●●

اصل اسباب کا ازالہ کرنے کی ضرورت ہے

بھارت کی راجدھانی دہلی اور قومی راجدھانی علاقے میں عورتوں کے عدم تحفظ، ان کو درپیش خطرات و مسائل اور ان کے خلاف ہونے والے جرائم کی شکایتیں کثرت سے سامنے آرہی ہیں۔ میڈیا طور پر چوتھیں سالہ ایم بی اے کی طالبہ اپنے ایک دوست کے ساتھ ایک شاپنگ مال کی طرف جارہی تھی کہ لڑکوں کے ایک گروپ نے اس کو اغوا کرلیا اور اس کے ساتھ اجتماعی طور پر زیادتی کی جو ایک کرکٹ میچ دیکھنے کے بعد واپس لوٹ رہے تھے۔ میڈیا طور پر لڑکوں نے طالبہ کو زبردستی گھسیٹ کر اپنی اسکارپیو گاڑی میں ڈال لیا۔ اس سے پہلے اسی نوئیڈا علاقے میں دہلی یونیورسٹی کی ایک اٹھارہ سالہ طالبہ کو میڈیا طور پر سنڈے بازار سے کار میں سوار تین افراد نے اغوا کرلیا تھا اور اس کے ساتھ زیادتی کرنے کے بعد غازی آباد کے پاس چھوڑ دیا تھا۔ اس طرح کے سنگین جرائم کی بڑھتی تعداد پر مختلف حلقوں میں تشویش کا اظہار کیا جارہا ہے۔

حقوق نسواں کے علمبردار اور اپوزیشن حلقے کہہ رہے ہیں کہ ان واقعات سے ظاہر ہورہا ہے کہ راجدھانی اور اس سے متصل علاقوں میں عورتیں کس قدر غیرمحفوظ ہوچکی ہیں۔ کسی مال یا بازار جانا بھی خطرناک ہوچکا ہے۔ عورتوں کے آزادانہ طور پر آنا جانا بھی بند ہورہا ہے اور علاقے میں عورتیں خود کو غیرمحفوظ محسوس کررہی ہیں۔ راجدھانی عام لوگوں کے لئے بھی محفوظ نہیں رہ گئی ہے۔ عام لوگوں بالخصوص عورتوں کو بدقماش لوگ آسانی سے نشانہ بنالیتے ہیں۔ سیاسی اور سماجی کارکن مطالبہ کررہے ہیں کہ لاء اینڈ آرڈر کی حالت درست کرنے اور لوگوں کو تحفظ فراہم کرنے کی ضرورت ہے۔ دہلی اور قرب و جوار میں آبادی میں بھی تیزی سے اضافہ ہورہا ہے جس کے لئے وہ پالیسیاں پوری طرح ذمہ دار ہیں جن کے تحت کاروبار اور شہری سہولتوں کو راجدھانی اور اس کے پاس سمیٹ کر رکھ دیا گیا ہے۔ جہاں ملک بھر کے ہر خطے اور ہر گوشے سے اور پھر بیرون ملک تک سے آکر آباد ہوتے ہیں۔ آنے والے روزگار اور زندگی کی سہولتوں کی تلاش میں یہاں آکر آباد ہوجاتے ہیں۔ کچھ اپنے مشن اور کوشش میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ کچھ ناکام ہوجاتے ہیں۔ کچھ کے بچے آگے نکل جاتے ہیں، کچھ کے بگڑ جاتے ہیں۔ ناکامی کی صورت میں غلط راستوں پر چل پڑتے ہیں۔ غلط لوگوں کی سوسائٹی کے اثرات بدلے لیتے ہیں۔ اپنی خوشحالی اور وسائل و ذرائع کا غلط استعمال کرنے لگتے ہیں۔ جرائم کی راہ پر چل پڑتے ہیں۔ جرائم کی شرح میں اضافہ کرتے ہیں۔ یہاں لوگوں کے ہاتھوں میں بلیک منی آسانی سے آجاتی ہے جسے وہ غلط کاموں میں خرچ کرتے ہیں اور گرفت میں آنے پر اس کے سہارے بچ نکلنے کی تدابیر اختیار کرتے ہیں۔ سماج دشمن اور انسانیت دشمن سرگرمیوں میں خرچ کرتے ہیں۔ وہ کسی قانون سے نہیں ڈرتے۔ قانون جو کتابوں میں بند پڑا رہتا ہے۔ ان کے سامنے بے بس ہوجاتا ہے۔ قانون نافذ کرنے والے قانون کو نافذ کرنے اس کے تقاضوں پر سختی سے عمل کرنے کی بجائے سماج دشمن عناصر سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ روابط مضبوط کرتے ہیں ان کے ساتھ سازباز کرتے اور ان کی مدد تعاون اور حمایت کرتے ہیں انہیں تحفظ اور سرپرستی فراہم کرتے ہیں۔

جرائم میں اضافہ کی شرح بھی عملاً سیاسی بحث کا موضوع بن کر رہ گئی ہے۔ کوئی سیاسی، سماجی، قانونی طاقت یا پارٹی اس کے اسباب کی تشخیص کرکے ان کا علاج کرنے میں سنجیدہ نہیں ہے۔ برسراقتدار طبقے کے خلاف شور مچایا جاتا ہے۔ جرائم پر قابو پانے کے مطالبات کئے جاتے ہیں اور جب برسراقتدار طبقہ عملی کارروائی کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے تو اپوزیشن طاقتیں احتجاج، مظاہرے، دھرنے، بیان بازی کا سلسلہ شروع کردیتی ہیں۔ جمہوریت نامی نظام حکمرانی میں ووٹ کی زبردست اہمیت ہوتی ہے۔ ہر ایک سیاسی لیڈر و پارٹی کو ووٹوں کی ضرورت ہوتی ہے ووٹ کس کا آرہا ہے؟ کیسے آرہا ہے؟ کہاں سے آرہا ہے؟ اس سے کسی کو کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ انہیں صرف ووٹ چاہئے۔ کبھی سیاسی لیڈر اور پارٹیاں جرائم پیشہ لوگوں سے ووٹ جمع کرنے کا کام لیا کرتی تھیں۔ اب سماج دشمن عناصر سیاسی لیڈر بن گئے ہیں اور سیاسی پارٹیوں سے اپنے مقاصد کی تکمیل کا کام لیتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ سماج اور ملک و قوم کی فلاح و بہبود، خیرخواہی و ترقی و خوشحالی سے کسی کو کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ہر کوئی اپنی مرضی، پسند، خواہش کی تکمیل کی دھن میں مصروف ہے۔ جو عورتیں اپنے تحفظ کی فکر کرتی ہیں ان کی طرف سماج دشمن عناصر بھی کم ہی نظر اٹھاتے ہیں۔ برے لوگوں کی حرکتوں کا شکار اکثر و بیشتر وہی خواتین بنتی ہیں جو آزادخیالی کے نام پر خود فحاشی، بے حیائی، بدکرداری کا مظاہرہ کرتی ہیں جو اپنی نازیبا حرکتوں سے دوسروں کی توجہ اپنی طرف منعطف کرتی اور دست درازی کی دعوت دیتی ہیں۔ اے سی نیلسن اور آرجی ایم اے آرجی ۲۰۰۸ء کے سروے نے اس صورتحال کی سنگینی سے بڑی حد تک پردہ اٹھادیا ہے۔ جس سے پتہ چلا ہے کہ ہر چوتھی بھارتی عورت یعنی پچیس فیصد بھارتی عورتیں اٹھارہ سے تیس سال کی عمر کے درمیان شادی سے پہلے ہی جنسی روابط کے مراحل سے گزر چکی ہوتی ہیں۔ گیارہ شہروں میں کئے گئے اس سروے کے مطابق بیالیس فیصد لڑکیاں انیس اور اکیس سال کی عمر کے درمیان اس عمل کو اختیار کرچکی ہوتی ہیں۔ جبکہ ایک چوتھائی تعداد نے اس سے بھی پہلے پندرہ تا اٹھارہ سال کی عمر کے درمیان اس عمل سے دوچار ہونے کا اعتراف کیا۔ ایک تہائی تعداد نے اعتراف کیا کہ انھوں نے ایسے لوگوں سے یہ تعلق قائم کیا جن سے عشق و محبت کا بھی کوئی معاملہ نہیں تھا۔ بہت سے ایسے لوگوں سے بھی تعلق قائم کیا جو ان کے ہم عمر بھی نہیں تھے، کہیں کوئی اسکول میں مل گیا۔ کوئی کالج میں، کوئی انٹرنیٹ پر، کوئی آفس میں۔ کوئی پارک میں کوئی بس یا ریل میں مل گیا۔ کسی سے سرراہ لفٹ لے لی تھی۔ بڑی تعداد میں لڑکے لڑکیاں اس زمانے میں تعلق قائم کرلیتے ہیں جب وہ سن بلوغت کو بھی نہیں پہنچے ہوتے۔ خود اپنے گھروں کے اندر بھی وہ یہ کام کرلیتے ہیں اور پڑوسیوں کے یہاں جاکر بھی۔ ظاہر ہے اس صورتحال کے لئے جنسی تعلیم کا شور بھی ذمہ دار ہے۔ مخلوط تعلیم کے ادارے بھی۔ سنیما ہالوں اور ٹی وی پر دکھائی جانے والی تصاویر اور اشتہارات بھی۔ فحش لٹریچر بھی حتیٰ کہ لفظ جنس اور سیکس کا بار بار استعمال بھی اور جنسی جرائم کی ذرائع نشر و اشاعت میں پیش کی جانے والی رپورٹیں بھی۔ اخلاقی تعلیم کا فقدان بھی اور والدین کی لاپرواہی و غفلت بھی، عریاں و نیم عریاں لباس بھی اور فیشن شو بھی، حسن کے مقابلے بھی۔ تنگ و چست اور نازیبا لباس بھی۔ پرکشش، انفرادیت کا مظاہرہ کرنے والی اور بے ساختہ اپنی طرف متوجہ کرنے والی حرکتیں بھی اور جذبات کو برانگیختہ کرنے والی حرکتیں و سرگرمیاں بھی اس قسم کے جرائم میں اضافہ کے لئے ذمہ دار ہیں۔

جو خواتین مذکورہ بالا حرکتوں سے دور رہتی ہیں وہ خطرات سے بھی بالعموم محفوظ رہتی ہیں۔ شرپسند عناصر بھی انہی خواتین کی طرف دست درازیاں کرتے ہیں جو انہیں نرم چارہ نظر آتی ہیں اور ان کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ معاملہ جبر کا ہو یا باہمی رضامندی کا آگ کے پاس ایندھن یا بکری کے پاس ہری پتیاں اپنے لئے خود مسائل پیدا کرتی ہیں۔ اس کے لئے نہ قانون رکاوٹ بن سکتا ہے اور نہ ہی خود حفاظتی تدابیر کے نام پر جوڈو کراٹے اور ہتھیاروں کے استعمال کی ٹریننگ۔ علامات پر توجہ دینے سے زیادہ اسباب اور جڑ کو ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ آگ سے ایندھن کو بکری سے سرسبز و شاداب پتیوں کو اور درندوں سے مویشیوں کو دور اور ناقابل توجہ بناکر رکھنے سے ہی مسئلہ حل ہوسکتا ہے۔ ●●

روس سے گیس کی سپلائی منقطع

ماسکو۔ یورپ کے ملکوں کو روس سے گیس کی سپلائی یوکرین کے ساتھ پیدا ہونے والے تنازعہ کے سبب رک گئی ہے۔ جس کی وجہ سے یورپ کے ملکوں میں توانائی کا زبردست بحران پیدا ہوگیا ہے۔ واضح رہے کہ معاوضے کے سوال پر ماسکو اور کیف کے درمیان اٹھ کھڑے ہونے والے تنازعے کی وجہ سے یہ بحرانی کیفیت پیدا ہوئی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ یورپ کے بیشتر ممالک میں چراغ گل ہوگئے ہیں۔ شدید سردی نے اس مسئلے کو اور بھی سنگین بنادیا ہے۔ یاد رہے کہ روس اپنی گیس کا ۸۰ فیصد حصہ یورپ کے ملکوں کو بیچتا ہے اور یہ گیس یوکرین سے ہوکر یورپی ملکوں کو پہنچتی ہے۔

روس کا کہنا ہے کہ یوکرین نے سپلائی بند کی ہے جبکہ یوکرین کا کہنا ہے کہ اسے اپنی سرزمین سے گیس پائپ لائن گزرنے کی اجازت دینے کا معقول معاوضہ نہیں مل رہا ہے۔ گیس کی سپلائی بند ہونے کے سبب مشرقی یورپ کے ممالک ہنگری، بلغاریہ، چیک جمہوریہ، رومانیہ، پولینڈ، آسٹریا، سلوواکیہ، مقدونیہ، یونان، کروشیا اور ترکی کے علاوہ جرمن، فرانس اور اٹلی بھی متاثر ہوئے ہیں۔ ان ملکوں کا گیس پر انحصار اس قدر ہے کہ گھروں میں چولہے بھی اسی سے جلتے ہیں۔ اس کی وجہ سے زبردست مسائل پیدا ہوگئے ہیں۔ ان ملکوں کو اس بحران کا سامنا سال نو کے پہلے ہی دن سے ہے۔

نیپالی حکومت نے فیصلہ واپس لیا

کھٹمنڈو۔ نیپال کے وزیراعظم پشپ کمل دہل پرچنڈ نے نیپال کے قدیم پشوپتی ناتھ مندر کے پجاری کے عہدے سے ہندوستانی برہمن خاندان کو ہٹاکر نیپالی باشندے کو اس کی جگہ پر مقرر کرنے کا فیصلہ واپس لے لیا ہے۔ نیپالی وزیراعظم نے یہ اعلان نیپالی پارلیمنٹ کی قانون ساز اسمبلی میں کیا۔ نیپال کی سیاسی پارٹیاں اس قدم کی سخت مخالفت کررہی تھیں اور اسے عوام دشمن اور ملک دشمن کارروائی قرار دے رہی تھیں۔ واضح رہے کہ نیپال کی عدالت عظمیٰ نے بھی اس فیصلے پر عملدرآمد کو روک دیا تھا۔ لیکن حکومت نیپال اپنے فیصلے پر اڑی ہوئی تھی اور اسے جائز اور ایک ضروری کارروائی قرار دے رہی تھی۔

نیپال میں اس پر سخت بے چینی محسوس کی جارہی تھی اور وہاں کی سیاسی پارٹیوں نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے عدم تعاون کی تحریک چلانے تک کی دھمکی دے رکھی تھی۔ ہندوستان کی بھی متعدد سیاسی جماعتوں اور مذہبی لیڈروں کی طرف سے اس فیصلے پر تشویش کا اظہار کیا گیا تھا۔ بھارتیہ جنتا پارٹی کے سینئر لیڈر لال کرشن آڈوانی، پارٹی کے مرکزی صدر راج ناتھ سنگھ، سماجوادی پارٹی کے صدر ملائم سنگھ یادو اور پارٹی کے جنرل سکریٹری ٹھاکر امر سنگھ کے علاوہ دوارکا پیٹھ کے شنکر اچاریہ نے اس پر اپنی تشویش ظاہر کرتے ہوئے حکومت نیپال سے اس فیصلے کو واپس لینے کا مطالبہ کیا تھا۔ نیپالی حکومت نے اس کو نیپال کے اندرونی معاملات میں مداخلت سے تعبیر کیا تھا۔

فکر معاصر

مسئلہ فلسطین

مسئلہ فلسطین کے حل میں ناکامی یا عدم ثمر آوری کا ذمہ دار صرف اسرائیل یا امریکہ اور ان کے حلیف ملکوں کو ہی ٹھہرایا نہیں جا سکتا بلکہ خود فلسطینی گروپ بھی اس کے ذمہ دار ہیں جن میں سے بعض کے تعلقات اسرائیل سے ہیں یعنی خفیہ طور پر وہ اسرائیل سے ساز گانٹھ رکھتے ہیں اور اقتدار کے خواہاں ہیں۔ الیکشن میں حماس کو اکثریت مل گئی تھی لیکن حماس دوسرے گروپوں سے الگ نظریہ رکھتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اسرائیل سارے علاقے خالی کرے جب کہ دوسرے گروپ یہ نہیں چاہتے۔ نتیجے کے طور پر اسرائیل نے اور امریکہ نے حماس کو اقتدار نہیں دیا اور اب اسے کچلنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ حماس کے ٹھکانوں پر بمباری کے بہانے معصوم فلسطینیوں کو قتل کیا جارہا ہے۔ حماس اور حزب اللہ ایسے گروپ ہیں جو ارض فلسطین کی مکمل آزادی چاہتے ہیں لیکن مسئلہ بہت پیچیدہ ہے۔ اس معاملے میں امریکہ اور اسرائیل کے سامنے بھی ایک سوال ہے کہ اگر سارا ارض فلسطین فلسطینیوں کے حوالے کردیا جائے تو پھر اسرائیل میں رہنے والے لاکھوں یہودیوں کو کہاں بسایا جائے؟ ظاہر ہے کہ فلسطینی حکومت کے زیر سایہ یہودی محکوم ہوکر رہیں گے اور وہ محکوم بن کر نہیں رہنا چاہتے اس لئے فلسطینیوں کو ان کی بستیوں سے نکال دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ برسہا برس سے لاکھوں فلسطینی جنوبی لبنان میں کیمپوں میں رہ رہے ہیں انہیں کہاں بسایا جائے کیونکہ بہت بڑے علاقے میں یہودی آباد کردیے گئے ہیں اور ساری دنیا کے یہودی اسی زمین پر جاکر بس جانا چاہتے ہیں ظاہر ہے کہ ان حالات میں اس مسئلہ کا کوئی حل نہیں ہے ہاں کسی حد تک نکل سکتا تھا اگر سارے گروپ متحد ہوتے لیکن ایسا نہیں ہے فلسطینی صدر محمود عباس ہی اسرائیل کے ایجنٹ ہیں وہ کبھی نہیں چاہتے کہ حماس کو اقتدار ملے۔ حماس چونکہ الیکشن جیت چکا ہے اسے اقتدار ملنا چاہئے یہی جمہوری طریقہ ہے۔ حماس کو اقتدار ملنے کا مطلب یہ ہے کہ اسرائیل سے دشمنی کا ایک اہم پہلو برآمد ہوگا اس لئے حماس کو اس کا حق نہ دے کر اب اسرائیل اس کے ٹھکانوں پر بمباری کررہا ہے تاکہ حماس کی طاقت ختم ہوجائے لیکن حزب اللہ اور حماس دونوں چونکہ اسرائیل کے حریف ہیں اس لئے یہ سودا امریکہ اور اسرائیل کو مہنگا پڑسکتا ہے۔ ۱۷/۱۸ دنوں کے بعد امریکہ میں حکومت بدلنے والی ہے سیاہ فام اوباما امریکہ کے صدر کا حلف لینے والے ہیں اس معاملے میں زیادہ خوش نہیں ہونا چاہئے کیوں کہ امریکہ کا کوئی بھی صدر یہودیوں کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا کیونکہ امریکہ کی معیشت پر یہودی حاوی ہیں۔ اگر امریکی بینکوں سے یہودی اپنا پیسہ نکال لیں تو امریکی حکومت کے سامنے بھیک مانگنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہوگا۔ اس لئے یہ تو سمجھنا ہی نہیں چاہئے کہ بارک اوباما اسرائیل کے خلاف بھی کوئی قدم اٹھاسکیں گے انہیں بھی یہ سوچ سمجھ کر کرنا ہوگا۔ جس طرح کہ ان کے پہلے ڈیموکریٹک سربراہان مملکت نے امریکہ میں کیا تھا۔ سابق صدر جمی کارٹر کے زمانے میں بھی اسرائیل سے ایک معاہدہ ہوا تھا جسے کیمپ ڈیوڈ معاہدہ کہتے ہیں۔ بعد میں جب کلنٹن امریکہ کے صدر تھے یعنی ڈیموکریٹک پارٹی کے تھے تب بھی اسرائیل اور فلسطین کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا جس میں مرحوم یاسر عرفات بھی موجود تھے اسی دن یاسر عرفات نے اسلحہ نکال کر رکھ دیے تھے۔ جب کہ وہ ہر وقت پستول لئے رہتے تھے۔

(انوار قوم، کانپور)

اقوام متحدہ بھی امریکہ و اسرائیل کے سامنے بے بس

صبا ممتاز

◎

اسرائیل بھی امریکہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اب دھمکیوں پر اتر آیا ہے۔ جبر اور دھونس کی پالیسی تو پہلے ہی صیہونی ریاست کا وطیرہ ہے جسے وہ مظلوم فلسطینیوں پر روا رکھے ہوئے ہے، مگر اب وہ اسرائیل کی مذمت کرنے والوں کو بھی قتل کرنے سے کم کی بات نہیں کرتا۔ جنرل اسمبلی کے صدر کو جان سے مارنے اور حماس قیادت کے سر قلم کرنے کی دھمکیاں، اسرائیل جیسی ریاست کو دہشت گرد ریاست قرار دینے کے لئے کافی ہیں مگر کون اسے دہشت گرد ریاست قرار دے گا، کیونکہ امریکہ، مغربی طاقتیں اور اسرائیل ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے ہیں۔ یہ سب دہشت گرد عناصر ہیں جو کہ مسلمانوں کو اس صفحۂ ہستی پر کسی طور پر برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں اور نہ ہی وہ مسلمانوں کی حمایت کرنے والوں کے موقف کو ٹھنڈے پیٹوں ہضم کرپارہے ہیں۔

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے صدر میگوئل ڈسکوٹو بروک مین نے حال ہی میں فلسطینیوں کے خلاف اسرائیلی مظالم کی سخت مذمت کی تھی اور اسے جنوبی افریقہ کی سابق حکومت کی نسل پرست کارروائیوں سے تعبیر کیا تھا۔ ترجمان کے مطابق ان کے بیان کے بعد جنرل اسمبلی کے صدر کو قتل کی دھمکیاں دی گئیں۔ کیونکہ انہوں نے امریکہ اور اسرائیل کی پالیسیوں کی مذمت کی تھی۔

صدر جنرل اسمبلی بروک مین نکارگوا کے وزیر خارجہ اور رومن کیتھولک پادری بھی رہ چکے ہیں۔ انہوں نے اسرائیلی دھمکیوں کے باوجود دنیا میں امن اور انصاف کے نصب العین کے لئے اپنا کردار جاری رکھنے کا اعلان کیا۔ اسرائیل نے سچ کی نمائندگی کرنے والوں کو بھی نشانہ بنانا شروع کردیا ہے۔ صرف یہی نہیں، اسرائیل نے اقوام متحدہ کے خصوصی نمائندہ برائے انسانی حقوق کو حراست میں رکھنے کے بعد ملک سے نکال دیا ہے۔ رچرڈ فالک فلسطینی علاقوں میں انسانی حقوق کی صورتحال کی نگرانی اور رپورٹنگ کے لئے اپنے فرائض انجام دے رہے تھے۔ یہودی ہونے کے باوجود اسرائیل نے ان کو ملک سے نکال دیا کیونکہ انہوں نے غزہ کی پٹی میں اسرائیل کی طرف سے انسانیت کے خلاف جرائم کو تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔ اسرائیلی حکام نے انہیں تل ابیب ایئر پورٹ پر حراست میں لیا اور ۲۰ گھنٹے حراست میں رکھنے کے بعد ملک سے نکال دیا۔ ان کو ملک سے نکالنے کے بارے میں اقوام متحدہ کو پہلے ہی مطلع کردیا گیا تھا۔

یہ ہے اس عالمی ادارے کا حال جو کہ دنیا میں امن اور انصاف کا پیامبر ہے۔ اسرائیل کا رویہ اب اس قدر دہشت گردانہ ہوگیا ہے کہ وہ برملا اور کھلے الفاظ میں حماس کی قیادت کے سر قلم کرنے کی دھمکی بھی دے رہا ہے۔ اسرائیلی وزیر مواصلات شاؤل موفاز نے کہا کہ غزہ سے حماس کی قیادت کو بھاگنے نہیں دیا جائے گا۔ انہوں نے تو صاف صاف کہا کہ وہ حماس کی چوٹی کی قیادت کی ٹارگٹ کلنگ کے ہی حامی نہیں بلکہ اس کا مطالبہ کررہے ہیں۔

حماس اور اسرائیل کے درمیان چھ ماہ سے جاری جنگ بندی کے خاتمے سے قبل ہی اسرائیل نے غزہ کی ناکہ بندی اور حماس کے گرد گھیرا تنگ کرنے کا تہیہ کرلیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ بندی کی مدت کا انتظار کئے بغیر اس نے غزہ کے باشندوں کو محصور کردیا اور حماس کے رہنماؤں کے قتل کی منصوبہ بندی کے لئے عملی قدم کا آغاز کردیا۔ جنگ بندی کا حربہ تو صرف حماس کو دفاعی یا جوابی حملوں سے روکنا تھا، پھر حماس پر مصالحت کی کوششیں کروانے والے فریقین کی جانب سے دباؤ تھا، جس کی وجہ سے حماس نے جنگ بندی معاہدے پر رضامندی ظاہر کردی تھی۔ مگر اسرائیل کے جارحانہ رویے نے اب پوری مسلم دنیا پر یہ باور کرادیا ہے کہ امریکہ اور اسرائیل اپنے آپ کو تمام معاہدات یا اصول وقوانین سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ دسمبر میں سلامتی کونسل میں آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کی قرارداد منظور کی گئی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ اسرائیل اور فلسطین میں قطعی مذاکرات ہونے چاہئیں تاکہ دیرینہ تنازع کو حل کیا جاسکے۔ یہ سلامتی کونسل میں مسئلہ فلسطین کے سلسلے میں کوئی پہلی قرارداد نہیں تھی۔ فلسطین کے اعلیٰ مذاکرات کار صائب اریکات نے اسی بات کو دہراتے ہوئے کہا تھا کہ اس سے قبل بھی کئی قراردادیں منظور کی گئیں۔ تاہم ان پر عمل نہ ہوسکا۔ انہوں نے عالمی برادری کو اس قرارداد پر عمل درآمد کے لئے کہا۔ امریکہ اور روس کی جانب سے مشترکہ طور پر پیش کی گئی اس قرارداد پر ۱۴ ممالک نے حمایت میں دستخط کئے، جب کہ مخالفت میں کوئی ووٹ نہیں پڑا، لیکن یہ وہ قراردادیں ہیں جو یہ نہیں عالمی برادری مسئلہ فلسطین کا حل بھی چاہتی ہے، مگر یہودیوں کی منشاء کے مطابق جو کہ وہ فلسطینیوں اور ان کی تنظیموں پر ٹھونس دینا چاہتی ہیں۔ اسرائیل کا رویہ اب صرف فلسطینیوں تک محدود نہیں رہا بلکہ اب وہ فلسطینیوں کی حمایت کرنے والوں کے بھی خلاف ہوگئی ہے، جس کا ثبوت اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے میگوئیل کو قتل کی دھمکیاں اور اقوام متحدہ کے خصوصی نمائندہ برائے انسانی حقوق رچرڈ فالک کو ملک سے نکال دینا ہے۔

اسرائیلی حکام نے انہیں تل ابیب ایئر پورٹ پر حراست میں لیا اور ۲۰ گھنٹے سے زائد وقت حراست میں رکھنے کے بعد ملک سے نکال دیا۔ سچ اسرائیل کو ہضم نہیں ہو پارہا کیونکہ انسانی حقوق کے ادارے اور اقوام متحدہ کی مقبوضہ فلسطینی علاقوں میں اسرائیل کے کردار کی غیر جانبدارانہ رپورٹنگ اسرائیل کے لئے قابل برداشت نہیں۔ اقوام متحدہ کے نامزد تفتیش کاروں کا کہنا ہے کہ غزہ میں اسرائیل کا رویہ نازیوں جیسا ہے۔ پروفیسر رچرڈ فالک نے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے کہا کہ ان کے خیال میں اسرائیل کی جتنی مذمت کی جانی چاہئے تھی، وہ اس سے بچنے میں کامیاب رہا ہے۔ پروفیسر رچرڈ فالک کے سچ پر مبنی بیانات اور تحقیقی رپورٹنگ پر اسرائیل نے اشتعال کا مظاہرہ کیا اور اس نے ان پر فلسطینیوں کا ساتھ دینے کا الزام لگایا۔

اتنا ہی نہیں، پروفیسر رچرڈ فالک نے واضح الفاظ میں کہا کہ وہ امریکیوں کے ضمیر کو جھنجھوڑنا چاہتے ہیں جو کہ اسرائیل کے مظالم پر خاموش ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر چین نے تبت میں یا سوڈان نے دارفور میں (اسرائیل جیسے انداز میں) کارروائیاں کی ہوتیں تو ان کا نازیوں سے موازنہ کیا جاتا۔

پروفیسر فالک کا یہ سخت بیان اسرائیل کو خاصا ناگوار گزرا ہے کیونکہ ان کا یہ بیان اقوام متحدہ کے تفتیش کار جان ڈوگارڈ کے خیالات سے بھی سخت ہے جو اسرائیل کی کارروائیوں سے ناخوش رہے ہیں۔ پروفیسر فالک کے اس بیان سے اس امر کو تقویت ملتی ہے کہ اسرائیل فلسطینیوں پر نازیوں جیسے انداز میں ظلم ڈھا رہا ہے۔ امریکہ اور دیگر عالمی طاقتیں اس کے جرائم سے پردہ پوشی کررہی ہیں، نہ صرف پردہ پوشی بلکہ اسرائیل کو کھلی چھوٹ دی جارہی ہے کہ وہ عسکری مجاہدین کا قلع قمع کردے جو کہ فلسطین یا لبنان میں اسرائیل کے خلاف جہاد میں مصروف ہیں۔

اس وقت غزہ اسرائیل اور حماس کے درمیان لڑائی کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اسرائیل حماس کے ممبران کے ٹھکانوں اور عوام پر حملے کررہا ہے۔ اسرائیل نے غزہ کی ناکہ بندی کررکھی ہے۔ محصورین کی بنیادی انسانی ضروریات تک رسائی کو ناممکن بنادیا گیا ہے۔

اسرائیل نے اپریل میں راکٹ حملے کرنے والے عسکریت پسند گروہ کے اہم کمانڈر ابوعلبہ کو ایک فضائی کارروائی میں ہلاک کردیا تھا۔ شمالی غزہ کے علاقہ بیت لیہہ میں کی جانے والی فضائی کارروائی کا نشانہ ابراہیم ابوعلبہ تھے جن کا تعلق ڈیموکریٹک فرنٹ فار لبریشن آف فلسطین سے تھا۔ ابوعلبہ نہ صرف اسرائیل پر حملوں میں ملوث تھے بلکہ وہ نئے حملوں کی منصوبہ بندی بھی کررہے تھے۔ اسرائیل نے جون میں جنگ بندی معاہدہ طے کئے جانے کے بعد کچھ عرصہ تو صبر کئے رکھا، مگر اس عرصہ میں اس نے عسکریت پسندوں کے خاتمے کی منصوبہ بندی مکمل کرلی اور اب وہ حماس کے خاتمے کے لئے کمربستہ ہوگیا ہے۔

حماس کو فلسطینی پارلیمان کے انتخابات میں برتری حاصل ہوئی۔ ممبران کی پارلیمان میں حماس نے ۱۳۲ میں سے ۷۶ جب کہ الفتح نے ۴۳ نشستیں حاصل کیں، جس پر الفتح کے اس وقت کے وزیر اعظم احمد قریع نے اپنا استعفیٰ محمود عباس کو پیش کیا تھا۔ غزہ میں ایک کروڑ پچاس لاکھ افراد اسرائیلی ناکہ بندی کا شکار ہیں۔ مغربی کنارے کی الفتح اور وہاں کے باسیوں پر تو اسرائیل مہربان ہے، کیونکہ وہ اسرائیل کے اشاروں پر چلنے اور اس کی ماتحتی میں مشروط آزادی سے زندگی گزارنے کو تیار ہیں، مگر حماس یا غزہ کے باسی اس قسم کی آزادی پر جانیں قربان کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ حماس کا یہی رویہ اسرائیل کو ناگوار گزرتا ہے۔ اسرائیل امریکہ اور یورپ حماس کو دہشت گرد تنظیم سمجھتے ہیں جب کہ روس حماس کو اس لیبل سے آزاد قرار دیتا ہے۔ روس کے سابق صدر ولادیمیر پوتن نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ وہ مغرب اور اسرائیل کی طرح حماس کو دہشت گرد تنظیم نہیں سمجھتے ہمیں فلسطینی عوام کے انتخاب کا احترام کرنا چاہئے۔ اس حقیقت کو ہمیں قبول کرلینا چاہئے کہ جائز انتخابات کے نتیجے میں حماس کو لوگوں نے ووٹ دے کر اقتدار تک پہنچایا ہے۔ ہمیں فلسطینی عوام کے مسائل کا حل تلاش کرنا ہے اور یہ اقوام عالم کے فائدے میں بھی ہے اور اسرائیل کے بھلے میں بھی۔

روس، امریکہ، اقوام متحدہ اور یورپی اتحاد چاروں کو مشرق وسطیٰ کوارٹیٹ کا نام دیا جارہا ہے۔ روس کے حماس کو دہشت گرد تنظیم نہ قرار دینے کی بات پر اسرائیل خاصا برانگیختہ ہوا تھا اور اسرائیل کے حکام نے کہا تھا کہ روسی صدر کے بیان سے تو ایسا لگتا ہے کہ کوارٹیٹ کے تین رکن یعنی امریکہ، یورپی اتحاد اور اقوام متحدہ کہیں اور جارہے ہیں اور چوتھا رکن روس کسی اور طرف۔ اسرائیل اور امریکہ کے سامنے بولنے کی جرأت روس کو ہی ہوسکتی تھی ورنہ اقوام عالم سچائی اور دل کی بات کو چھپا کر اسرائیل اور امریکہ کی ہاں میں ہاں ملانے پر مجبور ہے۔ ●●

یہ قہر خداوندی کو دعوت دینا ہے

محمد الیاس ندوی رام پوری

◎

یہ بات درست ہے کہ ہم جنسی انسانی معاشرے میں تقریباً ہر دور میں کسی نہ کسی صورت میں موجود رہی ہے بلکہ ایسا دور بھی گزرا ہے جب پوری پوری قوم اس وبا کا شکار ہوگئی تھی۔ سدومی اور یونانی اس معاملے میں کافی مشہور بھی رہے ہیں تاہم یہ بات بھی اپنی جگہ درست اور سو فیصد درست ہے کہ موجودہ ترقی یافتہ زمانے کے سوا کسی اور زمانے میں اخلاق وقانون کی کسی بھی کتاب میں اس کو اچھا نہیں کہا گیا اور کسی بھی پیمانے اور سطح پر اس کو گوارا کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ دنیا میں موجود چھوٹے بڑے تمام مذاہب اس کو برائی تسلیم کرتے ہیں اور ہر قوم کے شریف لوگ ہمیشہ اس سے بچنے اور گریز کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ ہم جنسی کے سلسلے میں تاریخ کے صفحات میں اپنا نام درج کرانے والے سدومیوں اور یونانیوں میں بھی ایسے لوگ رہے ہیں جو نہ صرف خود اس برائی سے اجتناب کرتے تھے بلکہ اپنی قوم کو بھی اس سے دور رہنے کی تلقین کرتے رہتے تھے، کم از کم سدومیوں کے حوالے سے حضرت لوط علیہ السلام کے اس کردار کا گواہ تو خود قرآن بھی ہے۔

اس کو ہم جنسی کے بجائے 'امرد پرستی' کہنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ عورتوں میں ہم سیکس کی روایات اس طرح نہیں ملتیں جس طرح مردوں میں ملتی ہیں، جب کہ ہم جنسی میں مرد وعورت دونوں میں اپنی جنس کی طرف میلان کا مفہوم نکلتا ہے۔ دنیا کی کسی بھی زبان کے تاریخی وادبی لٹریچر میں امرد پرستوں کے متعلق بہت کچھ پڑھنے کو مل جائے گا جبکہ عورتوں میں ہم جنسیت کے بارے میں بہت زیادہ نہیں ملے گا۔ البتہ موجودہ زمانے کی ہوا کچھ اس طرح بگڑ گئی ہے کہ عورتوں میں بھی یہ چیز کثرت کے ساتھ دیکھنے اور سننے کو ملتی ہے۔ حدیث شریف میں علامات قیامت میں سے ایک علامت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ قرب قیامت مرد اپنی جنس کے ساتھ خواہش پوری کرنے لگیں گے اور عورتیں اپنی جنس کی طرف رغبت رکھیں گی۔ جہاں یہ بات درست ہے کہ انسانی معاشرے میں ہم جنسی کو تو میلانے اور اخلاق وقانون کا درجہ دلانے کی کبھی بھی کوئی کوشش نہیں کی گئی اسی طرح یہ بات بھی بالکل صد فیصد درست ہے کہ اشرف المخلوقات یعنی انسان کے علاوہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی باقی تمام مخلوقات میں سے جو لاکھوں کی تعداد میں پائی جاتی ہیں کسی ایک مخلوق کے اندر بھی یہ چیز نہیں پائی جاتی جبکہ وہی تمام جذبات اور داعیات جن سے مجبور ہوکر انسان اس طرف راغب ہوتا ہے، دیگر مخلوقات بھی اسی قوت کے ساتھ رکھتی ہیں۔ اس کے باوجود کسی بھی چھوٹے بڑے جانور یا چرند پرند کو ہم جنسی [Same Sex] کی گندگی میں مبتلا نہیں دیکھا گیا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ دیگر مخلوق تو خیر وشر کے بعض لگے بندھے اصولوں پر ہی خود کو کاربند رکھتی ہیں یا ایسا کرنے کے لیے فطرتاً مجبور ہیں کہ انہیں تخلیقی صلاحیتیں نہیں بخشی گئیں اور تجربات ومشاہدات اور ادراکات سے فائدہ اٹھانے کا جوہر ان کے اندر نہیں رکھا گیا۔ البتہ یہ انسان ہی ہے جو اس معاملے میں بھی اپنے اختراعی ذہن سے کام لے کے نت نئے تجربات کرنا چاہتا ہے اور کررہا ہے۔

ترقی یافتہ زمانے کی عطا کردہ بہت ساری خرافات میں ایک ''یومیات'' بھی ہے۔ یومیات کی فہرست میں اب تو بے شمار دن شامل ہوچکے ہیں۔ پہلے تو صرف اتنا ہی ہوتا تھا کہ تہوار اور کھیل کود نیز تفریح طبع کے لیے کچھ دن مخصوص ہوتے تھے مگر جیسے جیسے زمانہ گزرتا جارہا ہے مختلف طرح کے مطالبات وتحفظات اور حقوق کی بازیافت کی جد وجہد زور پکڑ رہی ہے اور ان کے لیے بھی دن مخصوص کیے جارہے ہیں۔ رفتہ رفتہ خوشی وغمی کے دنوں کی یاد کے طور پر بھی دنوں کو خاص کیا جانے لگا ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اب تو سال بھر میں بہت کم دن ایسے رہ گئے ہیں جنہیں کسی نہ کسی خاص دن کے طور پر نہ منایا جاتا ہو۔ سال کے پہلے دن سے نیا سال مبارک [Happy New Year] کی مبارک بادوں کا سلسلہ ایک بار جو شروع ہوتا ہے تو سال کے آخری دن تک کسی نہ کسی نام سے یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ مرد وخواتین اور بوڑھوں بچوں کے علاوہ بعض بے ہودہ قسم کے اعمال کے لیے بھی دنوں کو خاص کردیا گیا ہے جیسے یوم عاشقاں ''Valentine's Day'' اور ''یوم ہم جنسیت'' وغیرہ۔

ہر سال جون کے آخری اتوار کو کئی ممالک میں ''یوم ہم جنسیت'' منایا جاتا ہے اور 'گے کلچر' سے جڑے ہوئے لوگ جن میں نوجوان لڑکوں لڑکیوں کے علاوہ معمر مردوں وخواتین کی بھی کافی بڑی تعداد ہوتی ہے، بڑے پیمانے پر روڈ شوز اور مختلف طرح کی تقریبات کا اہتمام کرتے ہیں اور اپنے لیے قانونی تحفظات کا مطالبہ کرتے ہیں۔ خود ہمارے ملک ہندوستان میں بھی اس طرح کے مطالبات زور پکڑنے لگے ہیں اور اب تو بہت سے وہ لوگ بھی جو ملک میں اعلیٰ اور باوقار عہدوں پر فائز ہیں اس کو ایک معاشرتی ضرورت سمجھ کر اس کی وکالت وطرفداری کرنے لگے ہیں، ہم جنس پرستوں کی آپس کی رضامندی کے ساتھ ہونے والی شادی کو قانونی درجہ دیے جانے کے حق میں ہیں اور ضابطۂ فوجداری ہند آئی. پی. ایل. کے تحت مذکور، جرائم کی فہرست سے نکال دیے جانے کا مطالبہ کررہے ہیں۔ اس مطالبہ کو لے کر سپریم کورٹ میں عرضی داخل کردی گئی ہے اور سپریم کورٹ نے مرکزی حکومت سے اس معاملے پر اپنا موقف واضح کرنے کو کہا ہے۔

۲۰۰۴ء میں جب ہندوستان کی پولیس نے لکھنؤ میں ہم جنس پرستوں کی ایک ٹیم کو گرفتار کیا تو ہیومن رائٹس واچ نے ہندوستان کے وزیر اعظم کو خط لکھ کر یہ واضح کیا کہ ہندوستان میں ہم جنس پرستوں کے خلاف قوانین کافی سخت ہیں اس نے ان کو قانون اور انسانی رویوں کے خلاف بتایا بلکہ اپنے خط میں اس بات کا بھی اظہار کیا کہ اس طرح ایڈز کے بڑھنے کے امکانات بھی زیادہ بڑھ جائیں گے۔ اس طرح کے قوانین پہلے ہی سے کئی ممالک میں نافذ ہیں وہاں ہم جنس پرستوں کی شادی کو قانونی درجہ حاصل ہے۔ ہالینڈ، بلجیم، سوئزرلینڈ، اسپین اور بعض امریکی ریاستیں سر فہرست ہیں اور اب ہندوستان کی باری ہے۔ میڈیا میں روز بروز شائع ہونے والے مواد، گے کلچر حامیوں کے مطالبات اور ان کو منوانے کے لیے زور وشور سے چلائی جانے والی مہموں اور بہت سے دیگر افراد کے اس کی طرف جھکاؤ، نیز انہیں بعض عالمی اور مقامی تنظیموں کی ہمدردی وتعاون حاصل ہونے کی وجہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اب ہندوستان میں بھی جلد یا بدیر اس کو قانونی حیثیت حاصل ہوہی جائے گی۔ بعض ہم جنس پرستوں کا خیال ہے کہ ہندوستان میں ہم جنسی رامائن اور مہابھارت کے دور سے چلی آرہی ہے اور ویسے بھی ''کام سوتر'' جیسی کتاب سے ہندوستان ہی نے ساری دنیا کو متعارف کرایا ہے۔ اجنتا کے غار اور کھجوراہو کے مندر بھی یہیں پائے جاتے ہیں اور انسان کے جنسی اعضاء کی پرستش کا تصور بھی صرف اسی مذہب میں ملتا ہے جو اپنی [illegible] بتاتا ہے۔

آج بھی دنیا کی تہائی آبادی کسی نہ کسی مذہب سے وابستہ ہے۔ اسلام، عیسائیت، یہودیت، بدھ ازم، سکھ ازم اور ہندو ازم تو خیر دنیا کے بڑے مذاہب تسلیم کیے جاتے ہیں، ان کے علاوہ اور بھی مذاہب اور قومیں پائی جاتی ہیں جو اپنی صدیوں پرانی خاندانی رسم ورواج پر یقین رکھتی ہیں، ان میں سے کسی بھی مذہب کی تعلیمات یا قومی رسم ورواج اس کی آزادی نہیں دیتے۔ معلوم نہیں پھر کس طرح ایسے ملکوں میں اس کو اجازت نامہ حاصل ہوگیا جن کی بیشتر آبادی مذہبی نظریۂ حیات پر یقین رکھتی ہے۔ مادیت کے بالمقابل روحانیت کا نام لیا جاتا ہے۔ دنیا بھر میں پائے جانے والے تمام مذاہب کے لوگ روحانیت میں یقین رکھتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ یقین رکھتے ہیں بلکہ روحانیت کے حصول کے لئے در در کی خاک بھی چھانتے پھرتے ہیں۔ مذہبی رہنماؤں کے ذریعہ منعقد کئے جانے والے پروگراموں میں بڑے اہتمام اور جوش وخروش کے ساتھ حصہ لیتے ہیں۔ چند وہ لوگ بھی جو سرتاپا مادیت میں غرق دکھائی دیتے ہیں تھوڑا بہت وقت روحانی اعمال کی انجام دہی کے لیے ضرور نکالتے ہیں۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ روحانی ورزشوں کے ذریعہ مادی افکار وخیالات سے چھٹکارا دلانے کی سعی کی جاتی ہے، انسان کے اندر پائی جانے والی ایسی تمام مخفی قوتوں اور جذبات واحساسات کو دبانے کی کوشش کی جاتی ہے جو اس کا چین وسکون برباد کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ ہر مذہب میں موجود عبادت کے مختلف طور طریقوں، ورزشوں اور اعمال کے ذریعہ انسان کے جن اعمال وافکار پر زیادہ قوت صرف کی جاتی ہے وہ جنسیات ہی سے متعلق ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے اندر موجود جنسی خواہش کو ہی زیادہ خطرناک اور مہلک تصور کیا جاتا ہے حتیٰ کہ جاہ ومنصب کی بھوک کو بھی اس کے سامنے ہیچ سمجھا جاتا ہے۔ یہ سب خرافات ان تمام مذہبی تعلیمات اور اہتمام کے باوجود ہیں اور اپنا کام کررہی ہیں۔

دراصل یہ جمہوری نظام حکومت کی کمزوری ہے کہ وہ معاشرتی دباؤ قبول کرتی ہے اور غلط یا صحیح کی تمیز کیے بغیر اسٹرائک اور احتجاجات پر کان دھرتی اور لوگوں کے مطالبات تسلیم کرتی ہے۔ جمہوری نظام حکومت میں جس طرح ایک مثبت بات کو احتجاج اور قانونی چارہ جوئی کے ذریعہ منوایا جاتا ہے اسی طرح ایک منفی چیز کو بھی اچھی طریقوں کا سہارا لے کر تسلیم کرایا جاسکتا ہے۔

ہمارے ملک میں بھی اگر اس چیز کو قانونی سرپرستی حاصل ہوجاتی ہے جیسا کہ دوسرے ملکوں میں ہے تو اصلاح واخلاق اور دینی قدروں کو فروغ دینے کے عمل کو بڑا نقصان پہنچے گا۔ ایسے لوگوں کے سر پر قانون کا ہاتھ ہوگا اور معاشرتی دباؤ ان کے کاندھوں سے ہٹ جائے گا، اس وقت کی صورت حال بڑی عجیب اور مضحکہ خیز ہوگی۔ کسی نصیحت کی بات سنتے وقت یہ لوگ سرعام کہیں گے اس میں کیا برائی ہے اور دس آدمیوں کی موجودگی میں ناصح کو خجالت وشرمندگی سے دوچار ہونا پڑسکتا ہے۔

ایڈز ایک ایسا مرض ہے جو اس طرح کی دیگر اخلاقی بیماریوں کے باعث پیدا ہوا ہے۔ تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ جن ممالک میں اخلاقی وانسانی قدروں کو جس حد تک پامال کیا گیا وہاں اس بیماری نے اسی حد تک پاؤں پسارے۔ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ اس کے وائرس دوسرے غیر متعلق لوگوں تک بھی پہنچ جاتے ہیں اور وہ لوگ بھی جو اس گندگی سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں یا وہ معصوم بچے جو ان چیزوں کو جانتے تک نہیں وہ بھی مختلف طریقوں اور ذریعوں سے اس بیماری کا شکار ہوجاتے ہیں۔ ایڈز کے علاوہ بھی کئی بیماریاں ہیں جو اس برائی کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہیں جیسے ریکٹل کینسر، سوزاک اور آتشک وغیرہ۔ ہم جنسی کو قانونی سرپرستی دلانے والوں میں عموماً دو طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں ایک تو وہ جن کا ذہن کچھ اس طرح کا بن گیا ہے کہ وہ اس کو ایک فطری عمل مانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جس طرح کھانا پینا انسان کی ضرورت ہے اسی طرح سیکس بھی انسان کی ایک ضرورت ہے، جس کو جس طرح چاہے انداز سے پورا ہونا چاہیے اور اس کے سامنے کسی طرح کی رکاوٹیں کھڑی کرنا صحیح نہیں، جس کو جہاں موقع ملے اور جس طرح ملے بہر صورت وہ اس کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ دوسرے لوگ وہ ہیں جن میں کچھ عالمی اور علاقائی تنظیموں کے سرپرست اور ذمہ دار بھی شامل ہیں جو H.I.V کے خوف سے اس میں ڈھیل دیے جانے کے قائل ہیں۔ ایڈز کی روک تھام کرنے والی بعض تنظیموں کا جن میں سر فہرست ہیومن رائٹس واچ بھی ہے خیال ہے کہ جب تک ہم جنس لوگوں کے حقوق تسلیم نہیں کیے جاتے اس وقت تک ایڈز پر قابو نہیں پایا جاسکتا۔ ہمارے ملک ہندوستان میں ایڈز کی روک تھام کرنے والی تنظیم 'ناکو' (National Aids Control Organization) کا ماننا ہے کہ ہم جنسی کے قانوناً جرم ہونے کی وجہ سے لوگوں سے رابطہ کرنا مشکل ہورہا ہے۔ اس کے اپنے ایک جائزے کے مطابق صرف مرد ہم جنس پرستوں میں تقریباً پچیس فیصد لوگ ایڈز میں مبتلا ہیں جو کہ سماج کے لیے ایک بڑا خطرہ ہیں۔ 'ناکو' نے ہم جنسی سے متعلق قانون میں ترمیم کی بات بھی کہی ہے اور ایڈز پر قابو پانے کے لیے ہم جنس پرستوں کے حقوق کو تسلیم کیے جانے کی وکالت کی ہے۔ تعزیرات ہند کی دفعہ 377 کے تحت ہم جنسی قابل سزا جرم ہے، ناکو اور دوسری تنظیمیں اس دفعہ کو ختم کرنے کا مطالبہ کررہی ہیں۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ ایڈز جیسی مہلک اور ناقابل علاج بیماری اسی برائی کی وجہ سے پھیلی ہے اور یہ کتنی تعجب خیز بات ہے کہ بہت سے لوگ اس بیماری کی روک تھام کے لیے بھی ہم جنسی کی برائی کو بے لگام کرنے کی بات کررہے ہیں۔ ان کی نگاہ میں اس مشکل کا حل یہ ہے کہ اس کو بالکل کھلی چھوٹ دی جانی چاہیے۔ جو لوگ ہم جنسی کو قانونی اجازت نامہ دے کر ایڈز کی بیماری کا حل چاہتے ہیں وہ چائے میں گرے بسکٹ کو دوسرے بسکٹ سے نکالنا چاہتے ہیں، ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو پیر میں لگے کانٹے کو دوسرے کانٹے کی نوک سے نکالنا چاہتا ہے اور دنیا جانتی ہے کہ اس طرح کے عمل میں خطرات زیادہ ہیں۔ ایسا کوئی بھی حل مشکلات کو مزید بڑھا دے گا۔

آج کے تمام مفکرین اور قلم کار جو انسانی اعمال وافکار کو محض مادی نقطۂ نظر یا محض معروضی زاویۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں سب کے سب ایسا ہی سوچتے ہیں اور اچھی بری چیز میں تمیز کیے بغیر تغیر زمانہ اور بدلتی ہوئی زندگی کی زد پر رکھ کر کسی بھی چیز کو صاد کردیتے ہیں۔ یہ ایک خطرناک نقطۂ نظر ہے۔ اس طرح وہ تمام لوگ بھی جو بذات خود ہم جنسی کی لعنت میں گرفتار نہیں ہیں اس کو بڑھاوا دینے کا بالواسطہ ذریعہ بن رہے ہیں بالکل اسی طرح جس طرح ہمارا یہ جمہوری نظام حکومت بالواسطہ طور پر اس کا معاون ومددگار ہے۔ موجودہ دور کے مفکرین اور قلم کاروں کے دل ودماغ پر اپنے تئیں غیر جانبداری ظاہر کرنے کا خمار اس حد تک چڑھا ہوا ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ ظلم واستحصال ہی کے روادار نہیں ہوتے بلکہ کئی دفعہ حق وانصاف کی طرفداری سے بھی آنکھ چراتے نظر آتے ہیں۔ یہ اپنے تئیں غیر جانبداری ظاہر کرنے کا نشہ ہی ہے کہ وہ اپنے قلم وزبان کو معروضی بنائے رکھتے ہیں۔ ہر چند کہ معروضی زاویۂ نگاہ ہمیں تشدد پسندی اور انتہا پسندی سے گریز سکھاتا ہے لیکن وہ وہاں پہنچ کر فتنہ بن جاتا ہے جہاں اس سے تنقیدی واصلاحی زاویۂ نگاہ کا عنصر یکسر الگ ہوجاتا ہے اور اچھے برے کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔ اگر ہم اپنے تمام طرح کے مسائل کے پس پشت کوئی ایک بڑی بلکہ سب سے بڑی وجہ جاننا چاہیں گے تو شاید ہماری جستجو وتلاش کے تمام سرے اس بات پر آکر رک جائیں گے کہ انسان ''وحی'' سے دور ہوتا چلا جارہا ہے۔ ●●

امریکی دانشور ورلٹ رابرٹ روز اپنی جنم بھومی میں وقوع پذیر ہونے والے تازہ واقعات کو بالکل اور ہی زاویے سے دیکھتا ہے۔ اس کے نقطۂ نظر سے اختلاف کیا جاسکتا ہے مگر سوچنے پر مجبور بھی ہونا پڑتا ہے کیونکہ اس کا دادا جو برطانیہ کی شہنشاہی کا باغی تھا، امریکہ کے پہلے صنعت کاروں میں سے تھا جس نے اپنے کارخانے میں مزدوروں کی استعداد کار بڑھانے کے لئے "تصوراتی اشتمالیت پسندوں" کا رویہ اختیار کیا تھا۔ راب کا باپ برطانوی (Puritan) طرز تربیت کا حامل ہوتے ہوئے بھی اپنے سیاہ فام عمر میں بڑے غلاموں کو ہیٹ اتار کر سلام کرتا تھا۔ راب کی ماں یہودی نسل ہوتے ہوئے عیسائیوں کے ایک فرقے کی رکن مبلغ ہے۔ رابرٹ یہود مخالف ہے اور امریکہ کی اسٹیبلشمنٹ سے متنفر ہے۔ وہ امریکہ میں چودہ برس پائے کا کمپیوٹر پروگرامر رہا لیکن بقول اس کے امریکہ میں سفید فام لوگوں کو آگے بڑھنے کے مواقع میسر نہیں ہیں۔ وہ سفید فام جو حکومت کے اعلیٰ عہدوں تک پہنچ پاتے ہیں، وہ ان آقاؤں کے غلام ہیں جو امریکہ کا مستقبل طے کرنے کے لئے پالیسی سازی کرتے ہیں۔ امریکی حکام اس پر بس مہر لگاتے ہیں۔ رابرٹ کا کہنا ہے کہ یہودیوں پر فتح نہیں پائی جاسکتی۔ انھوں نے اپنے آئندہ مقاصد کے لئے اب بارک اوباما کو آگے کیا ہے۔ جس نے اس کے بقول ان کے ہاتھ اپنی روح فروخت کی ہوئی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ پیسا اپنی ہیئت و کیفیت میں محض دیا گیا قرض (Debet) ہے۔ قرض تب تک دیا جانا سودمند ہوتا ہے جب تک معیشت میں پھیلاؤ کی گنجائش ہوتی ہے۔ امریکہ کی معیشت کا محلول سیر شدہ ہو چکا ہے۔ اس لئے پیسہ بے مایہ ہو رہا ہے۔ امریکہ کو دوسرے تیزی سے ترقی کرتے ہوئے ممالک میں نفوذ کرکے اپنی معیشت کو استحکام دینے کے لئے وہاں پیسے اور ٹیکنالوجی کی سرمایہ کاری کرنی چاہئے لیکن امریکہ کے مقتدر ادارے، حلقے اور افراد نحوست کا شکار ہیں۔ وہ روس اور چین کا سا معاشی رویہ اختیار کرنے سے گریزاں رہیں گے۔ اس لئے انھوں نے ایک اور ہی راستہ اختیار کیا ہوا ہے یعنی دنیا کے تیل پر قبضہ کرنے اور بڑی ہوئی معیشتوں کو اس ہتھیار کے ذریعے اپنا مطیع بنانے کا۔ اس کے خیال میں موجودہ مالیاتی بحران کوئی اچنبا نہیں ہے۔ امریکہ کی ہیئت مقتدرہ نے اسے خود آگے بڑھایا ہے۔ عراق پر قبضے کے بعد تیل کی قیمتوں میں مسلسل اضافہ اور پھر یک لخت عالمی مالیاتی بحران کے ہوتے ہی ان کا گر جانا ایک سوچے سمجھے منصوبے کا حصہ ہے۔ جس کے ذریعے تیل پیدا کرنے والے ممالک اور ترقی پذیر ممالک کے پھولے ہوئے غباروں کو چھیدا گیا ہے۔

امریکہ کی فوج میں سپاہیوں کا کثیر ترین حصہ یا تو سیاہ فام ہے یا میکسیکو کے آبادکاروں کے بچے اور یہ دونوں غربت اور دیگر کسی اہلیت

امریکہ پر یہودیوں کی حکومت

ڈاکٹر مجاہد مرزا

سے بہرہ مند ہونے کے باعث فوج میں پناہ لیتے ہیں۔ عراق میں مرنے والے امریکی فوجیوں کی تعداد اس کے مطابق چند ہزار نہیں بلکہ کہیں زیادہ ہے۔ اگر ایلیکشن انجینئرنگ کے ذریعے سفید فام جان میک کین کو لایا جاتا تو کوئی اور مہم جوئی دشوار ہو جاتی۔ اس کے خیال کے مطابق جنگی حالات سے آئی ہوئی لاشیں تو دفن ہو کر خاموش ہو جاتی ہیں۔ ان کا وجود ایک لحاتی دھچکا ہوتا ہے اور پھر لاوجود ہو جاتا ہے۔ مگر جنگوں میں زخمی اور معذور ہونے والے فوجی زندہ اشتہار بن جاتے ہیں۔ ایک نئی جنگ جو تیل کے مالک ایک اور ملک پر مسلط کی جانے والی ہے، وہ عراق پر قبضے کی طرح آسان نہیں ہوگی کیونکہ ایران نہ تو سنی العقیدہ ہے اور نہ ہی عرب مزاج۔ امریکہ کو ایران پر قبضہ کرنا ہے اور یہ جنگ طویل اور بھیانک ہوگی۔ امریکہ میں سیاہ فام معذور فوجیوں کا ایک سیلاب ہوگا جو کسی سفید فام صدر کو جنگ کا مورد الزام نہیں ٹھہرا سکیں گے۔ انہیں خاموشی اختیار کرنا ہوگی کہ وہ تو اپنے ہم رنگ، تبدیلی کا ڈھونگ کرنے والے اور کسی حد تک تبدیلی کے ڈھونگ کی کامیاب نمائش کرنے والے بارک اوباما کے حکم پر وارے گئے ہیں۔ امریکہ نے دنیا بھر میں اپنا خالی کاغذوں کا ڈھیر یعنی ڈالر پھیلایا ہوا ہے۔ اس کا دم توڑنے کے لئے ایک عرصہ درکار ہے تب تک امریکہ کی ہیئت مقتدرہ دنیا کا نقشہ بدلنے اور ایک اصلاح شدہ نظام معیشت مروج کرنے میں پھر سے کامیاب ہو جائے گا۔ اس نے مجھ سے پوچھا تھا، تم بارک اوباما کی جانب سے کی گئی پہلی تعیناتی کے بارے میں کیا کہتے ہو یعنی رحم امانوئیل جس کا باپ "ارگون" کا سرگرم رکن تھا؟

امریکہ دراصل اسرائیل کا پولیٹیکل ونگ ہے جو سرکردہ یہودی زعما کی پشت پناہی میں اسرائیل کے مقاصد کی نگرانی کرتا ہے۔ اگرچہ بظاہر دنیا پر امریکہ کی اجارہ داری ہے مگر امریکہ پر اسرائیل یعنی یہودی افراد کی بالادستی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ امریکہ میں یہودیوں کی ریشہ دوانیوں سے شناسا زعما اور سیاستداں اس کے خلاف کبھی کبھار دبی دبی آواز اٹھالیتے ہیں مگر ایک تو ان کی یہ بات صدا بصحرا ثابت ہوتی ہے کیونکہ بات تو پھیلتی ہی ذرائع ابلاغ سے ہے اور وہ ہیں ہی یہودیوں کی دسترس میں دوسرے وہ اپنے سیاسی کیریئر کو داؤ پر نہیں لگا سکتے کیونکہ: "ریاستہائے متحدہ امریکہ کے حوالے سے یہ اصطلاح ہی پس از رفتہ ہوگئی ہے۔ (اسرائیلی اخبار "ماریو")

"میں نے ایسا کوئی صدر نہیں دیکھا، چاہے وہ کوئی بھی کیوں نہ ہو جو ان (یہودیوں) کے سامنے ڈٹ سکے، وہ جو بھی چاہتے ہیں، کروا کر رہتے ہیں۔ اسرائیلیوں کو ہر پل اور ہر ہونے والے عمل کی خبر ہوتی ہے۔ میں بعض اوقات کچھ باتیں لکھتا ہی نہیں کیونکہ اگر امریکی عوام یہ سمجھ لیں کہ ان کی گرفت ہماری حکومت پر کس قدر مضبوط ہے تو وہ ان کے خلاف مسلح بغاوت پر اتر آئیں گے۔ (ایڈمرل تھامس مور، سابقہ چیئرمین جوائنٹ چیفس آف اسٹاف، یو ایس اے)

جس طرح یہودیوں کے معیارات دوہرے ہیں، اسی طرح ان کی سیاسی طاقت پہلودار اور منافقانہ ہے۔ ذرائع ابلاغ پر مکمل دسترس کے زور پر عوامی مسائل پر زبردست طریقے سے اثر انداز ہو کر وہ انتخابات کا رخ موڑ سکتے ہیں۔ اپنے پروپگنڈے کے ذریعے وہ امریکی عوام کی سوچ کے دھارے بدل سکتے ہیں اور وہی مسائل ابھارتے ہیں جو ان کے مفادات کی نگہبانی کے کام آئیں، باقی مسائل کا یا تو بے حد کم ذکر کیا جاتا ہے یا انہیں بالکل ہی دبا دیا جاتا ہے۔ دوسرا راستہ سیاست پر براہ راست اثر اندازی کا ہے، یعنی وہ انتخابات کی مہم میں پیسہ خوب لگاتے ہیں اور ان کا تعاون تقریباً ہر امیدوار کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ جو ان کے آگے جھک جائے تو وہ جی بھر کر اس کی مالی اعانت کرتے ہیں اور جو نہ جھکے تو نہ صرف یہ کہ اس کی مدد ہی نہیں کرتے بلکہ اس کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں۔ بہت پہلے وہائٹ ہاؤس کے ایک یہودی اہلکار نے وال اسٹریٹ جرنل میں شائع ہونے والے اپنے ایک مضمون میں کہا تھا کہ یہودی مال لگانے کے معاملے میں بے حد سخی ہیں اور سال بہ سال امریکہ کی دونوں بڑی پارٹیوں کو جو "تحفے" موصول ہوتے ہیں، ان کا ۸۰ فیصد یہودیوں کی جانب سے ہی دیا جاتا ہے۔ اسی اخبار میں ایک اور مضمون میں بتایا گیا تھا کہ ڈیموکریٹک پارٹی کے معتدبہ عطیات یہودیوں کے عطا کردہ ہوتے ہیں جبکہ ری پبلکن پارٹی کا آدھا خزانہ وہی بھرتے ہیں۔ کون ایسا ہوگا جو کہہ سکے کہ پیسہ بلا غرض دیا جاتا ہے۔ چونکہ یہودیوں کا پیسہ صرف ہوتا ہے اور ان کی منظم حمایت شامل حال ہوتی ہے، اس لئے حکومت میں یہودی مشیروں اور یہودی معاونین کا در آنا از بس ضروری ہو جاتا ہے۔ اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو صدر وڈرو ولسن سے جارج بش تک یہ حلقہ وسیع تر اور مضبوط تر ہوا ہے۔

امریکہ کی کانگریس اور وہائٹ ہاؤس ان لوگوں کے مکمل قبضے میں ہے، چنانچہ ہوتا یہی ہے کہ امریکی صدر اکثر کہتا کچھ اور ہے اور کرتا کچھ اور ہے۔ واشنگٹن میں یہودیوں کی طاقت کا اصل مقصد صہیونی مفادات کی نگہبانی ہے۔ بعض ممالک تو امریکہ کے پٹھو گردانے جاتے ہیں مگر امریکہ بذات خود اسرائیل کا پٹھو ہے۔ اسرائیل کی حمایت میں امریکہ نے بارہا سلامتی کونسل کی قراردادوں کو ویٹو کیا۔ یہودیوں کے مفادات امریکہ کو محض اسرائیل نوازی اور اپنے حق میں معاشی پالیسیاں بنوانے تک محدود نہیں رہے بلکہ وہ امریکہ کی زندگی کے تمام ہی اہم شعبہ جات کو متاثر کرتے ہیں۔ سماجی بہبود سے لے کر ٹیکسوں تک، نقل مکانی کے بارے میں قوانین سے لے کر فوجداری قوانین تک، حتیٰ کہ ججوں کا تقرر تک ان کے زیر اثر ہوتا ہے۔ پھر اہم شعبہ ہائے حیات و حکومت سے منسلک یہودیوں کے خیالات شہری حقوق، ترک مکانی، نسل پرستی، ہم جنس پرستی، مذہبی معتقدات، فنون لطیفہ، غرض زندگی سے منسلک تمام امور کے متعلق خصوصی نوعیت کے ہیں۔ اعلیٰ عہدوں پر فائز ہونے کے طفیل ان خیالات کا اثر و نفوذ محض امریکی معاشرے پر ہی نہیں بلکہ بلاواسطہ اور بالواسطہ دونوں ہی طرح پورے عالمی معاشرے کو اپنے مطابق ڈھالنے کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ یوں اس سے دراصل کوئی اثر نہیں پڑتا کہ وہائٹ ہاؤس میں کون متمکن ہے کیونکہ ان کے اثر و نفوذ کے بغیر یہ ممکن ہے ہی نہیں کہ کوئی ملک کے عہدۂ صدارت تک پہنچ پائے۔ رحم امانوئیل کے تقرر کا جواب ملا آپ کو، پھر کوئی بھی یہودی امریکہ کا خیر خواہ اس لئے نہیں ہے کہ وہ اسرائیل کو اپنا آبائی وطن تصور کرتا ہے۔ دکھاوے کی امریکہ کی خیر خواہی میں درحقیقت اسرائیل اور یہودیوں کے مفادات کی نگہبانی کا بیج پنہاں ہوتا ہے۔ امریکن جیوئش کمیٹی کے قومی مسئلے کے ڈائریکٹر ڈاکٹر اسٹیفن اسٹین لائٹ نے اپنے ایک مضمون میں اعتراف کرتے ہوئے لکھا:

"میں اعتراف کرتا ہوں کہ میرے عہد کے باقی ہزاروں یہودی بچوں کی طرح میری تربیت بھی قوم پرستانہ بلکہ خاصی حد تک علیحدگی پسندانہ تناظر میں ہوئی تھی۔ مجھے بچپن اور لڑکپن کے سالوں میں ہر سال دو ماہ کے لئے جیوئش سمر کیمپ بھیجا جاتا تھا، جہاں ہر صبح اٹھ کر ایک غیر ملکی (اسرائیلی) جھنڈے کو سلام کرنا ہوتا تھا۔ جھنڈے کے رنگ کی یونیفارم زیب تن کرنا ہوتی تھی، مجھے ایک غیر ملکی ترانہ گانا ہوتا تھا۔ میں نے ایک پرائی زبان سیکھی، پرائے عوامی گیت اور رقص سیکھے۔ مجھے سکھایا گیا کہ اسرائیل ہی دراصل میرا حقیقی وطن ہے۔ مجھے اچھے طریقے سے لاشعوری طور پر یہ تربیت دی گئی کہ ہم غیر یہودیوں سے برتر ہیں اور غیر یہودی ناقابل اعتبار لوگ ہیں۔ یہ لوگ حساسیت، ذہانت اور اخلاقیات کے اعتبار سے ہم سے کمتر ہیں۔ ہمیں کسی پر اعتبار نہیں کرنا چاہئے۔ اگرچہ ہم امریکی جھنڈے کو بھی سلام کرتے تھے اور امریکی ترانہ بھی گاتے تھے لیکن ہم پر واضح تھا کہ ہماری وفاداری دراصل کس ملک کے ساتھ ہے"۔

●●

بقیہ : مسلمانوں کو خود شناسی اور خود احتسابی کی ضرورت

بے حساب پیسہ لٹا رہی ہیں۔ اشتہار بازی کے جدید انداز ہمیں بہت زیادہ مرغوب ہونے لگے ہیں اور نہ صرف جلسے جلوسوں کے اظہار کے لئے بلکہ تنظیموں کے اندر آپسی دھڑے بندیوں اور ذاتی برتری قائم کرنے کے لئے دونوں ہاتھوں سے سرمایہ لٹایا جا رہا ہے۔

آج دنیا میں انسانی حقوق، بچوں کے حقوق، عورتوں کے حقوق، بزرگوں کے حقوق، محنت کشوں کے حقوق، زیر دستوں اور ماتحتوں کے حقوق جیسے مسائل کا چرچا ہے۔ ہم اپنے گریبان میں جھانک کر یہ دیکھنے کی زحمت کریں کہ ان سلگتے مسائل کا جواب ہم کیوں نہیں بن سکے۔ ہمیں تو ہمارے دین نے ہی واضح طور پر حقوق العباد کا تصور دیا ہے۔ مختلف طبقوں کے تئیں ذمہ داریوں اور ان کے حقوق سے متعلق خصوصی ہدایات بھی ہمارے پاس موجود ہیں۔ لیکن ہماری عملی زندگی میں یہ نادارد ہیں۔ مسلم معاشرہ، مسلم ادارے، مسلم تاجران و صنعت کار اس پوزیشن میں کیوں نہیں ہیں کہ مختلف قسم کے حقوق کے لئے کام کرنے والے لوگوں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کو خود وہاں سے ایک رہنمائی حاصل ہو! اور وہ دیکھیں کہ جن حقوق کی بات ہم آج کر رہے ہیں ان حقوق کو مسلم امت اپنی دینی تعلیمات کی رو سے پہلے سے ہی، اور ہم سے بہتر انداز میں برت رہی ہے۔ ہم مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ ہم میں سے کچھ لوگ ان قوانین سے بھی بچ نکلنے کی کوشش کرتے ہیں جو ہمیں اسلامی تعلیمات و ہدایات کے مطابق ہوتے ہیں اور معاشرے کی فلاح کے لئے بنائے جاتے ہیں۔

ہم جدید ترین تمدن کے دور میں جی رہے ہیں۔ بہترین نفاست و صفائی، بہترین رکھ رکھاؤ، بہترین ڈسپلن، بہترین برتاؤ اس جدید تمدن کے زیر اثر ہر جگہ دکھائی دے گا، لیکن ایک ہم ہیں کہ نہ تو اسلامی تعلیم کے زیر اثر اور نہ اس جدید تمدن کے زیر اثر ہمارے یہاں یہ چیزیں نظر آئیں گی۔ بے ڈھنگا پن، کام چلاؤ انداز، ابتری و گندگی اور بنیادی وسائل سے بھی بے نیازی ہماری عادتوں کا حصہ بنی ہوئی ہے۔ نئی نسل کو تعمیری کاموں سے جوڑنے کے لئے ہماری کارگاہوں اور ہمارے سلوک میں کوئی کشش نہیں۔ پیشہ وارانہ خدمات کی ہمارے یہاں کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اپنے طریقہ کار کو جانچنے کا کوئی معیاری پیمانہ ہمارے پاس نہیں۔

یہ خود احتسابی کے چند اہم ابتدائی پہلو ہیں۔ اگر ہم اپنا جائزہ آپ لینے کی عادت اپنے اندر پیدا کریں گے تو ہمیں ہر برائی خود ہی نظر آئے گی اور اس کی اصلاح کا جذبہ ہمارے اندر پیدا ہوگا۔ اگر ہم اپنی موجودہ بدحالی دور کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں یقیناً اپنی اصلاح آپ کرنی ہوگی ورنہ زمانہ ہمارا احتساب کرتا رہے گا اور ہمیں اپنے نظریے کے مطابق "اصلاحات" پر مجبور کرتا رہے گا۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

●●

صومالیہ میں اسلام پسندوں کی دوبارہ حکومت کی توقع

عربی سے ترجمہ: مسعود الرحمن خان ندوی

صومالی صدر عبداللہ یوسف کے اس اعتراف کے بعد کہ ملک کے بیشتر حصے پر اسلام پسندوں کا غلبہ ہے صومالی امور کے ماہرین کا خیال ہے کہ ۲۰۰۹ء کے آغاز میں اسلام پسندوں کے دونوں بازوؤں میں حکومت سے مصالحت کے معاملے میں اختلاف کے باوجود وہ دوبارہ حکومت میں آئیں گے۔ ان کے اس خیال کی نمایاں ترین وجہ یہ ہے کہ عالمی برادری موجودہ عارضی حکومت کی ناکامیوں سے تنگ آچکی ہے، جو نہ اپنے اندرونی اختلافات کو مٹا سکی، نہ امن وامان قائم کرسکی، نہ بحری قزاقوں کی ڈکیتیوں پر قابو پاسکی، جبکہ محاکم اسلامیہ کی حکومت اس صورتحال کو ختم کرچکی تھی، اسی طرح صومالیہ میں ایتھوپیا بھی فوجی مداخلت میں ناکامی کے بعد وہاں سے دامن چھڑانا چاہتا ہے۔

سیاسی تجزیہ نگار عبداللہ عہدی کا کہنا ہے: "اسلام پسندوں کے افکار و خیالات میں اختلاف کے باوجود وہ چند ماہ میں زمام حکومت سنبھال لیں گے اس لئے کہ موجودہ حکومت میں خود اختلافات برقرار ہیں، اور محاکم اسلامیہ نے اپنے دور حکومت میں جن برائیوں کو مٹا دیا تھا وہ پھر عود کر آئی ہیں جیسے بدامنی، بحری قزاقی وغیرہ۔ یہ تمام اسباب اسلام پسندوں کی حکومت کی واپسی میں مددگار رہوں گے۔

۲۰۰۶ء کے اواخر اور ۲۰۰۷ء کے اوائل میں محاکم اسلامیہ کی افواج کی پسپائی کے بعد سے صومالی اسلحہ بردار بحری قزاق کی ایک سے زائد وارداتیں انجام دے چکے ہیں۔ جن میں تازہ ترین ۱۷ نومبر کو سعودی تیل بردار جہاز کے اغوا کا معاملہ ہے۔ اس کے بعد ایک یونانی آئل ٹینکر اغوا ہوا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ عالمی برادری خاص طور سے عارضی حکومت کے حلیف ممالک موجودہ حکومت کے اندر جاری اختلافات کے حل سے مایوس ہو چکے ہیں یہاں تک کہ اس کی حلیف ایتھوپیا کی حکومت بھی ان کو حل نہیں کرسکی جس کی وجہ سے حکومت اور شیخ شریف احمد کی قیادت میں اپوزیشن اتحاد برائے آزادیٔ صومالیہ کے مابین جیبوتی معاہدہ جو ایک طرح سے ایتھوپیا کی عزت بچانے کا ایک موقع ہے۔ اس لئے اس کے بہانے ایتھوپیا کی افواج جلد واپس ہوسکتی ہیں۔ ان افواج کی صومالیہ میں ناکامی، اور امن وامان کے حکومتی اداروں کی ٹوٹ پھوٹ، نیز نئے امریکی انتظامیہ کا بھی یہی تقاضا ہے۔

صومالی صحافی محمد عبدالقادر کی رائے ہے کہ موجودہ حالات اسلام پسندوں کے حق میں ہیں۔ اس وقت ان کی پوزیشن وہی ہے جو دو برس قبل راجدھانی مقدیشو پر قبضے سے پہلے تھی۔ اس وقت پارلیمنٹ کے مقام شہر بیداوہ کے علاوہ جنوب اور وسط کے تمام علاقے اسلام پسندوں کے ہاتھ میں ہیں، بلکہ خود شہر بیداوہ کا بھی انھوں نے محاصرہ کر رکھا ہے۔ اس لئے آئندہ دو ماہ میں ان کی مقدیشو اور جنوبی و وسطی علاقوں میں واپسی ممکن ہے۔ ہوسکتا ہے کہ عالمی برادری کو معاہدہ جیبوتی اسلام پسندوں کی واپسی کی ضرورت سے مطمئن کردے، خاص طور پر اس لئے کہ وہ بحری قزاقوں سے ان اسلام پسندوں کی مقابلے کی قدرت کے قائل ہیں جو ایک اہم ترین بین الاقوامی بحری راستے کے لئے چیلنج بن گئے ہیں۔ ایک اور سبب عالمی برادری کو اس منظرنامے کے قبول کرنے کا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وفاقی حکومت کے اختتام کی مدت (اکتوبر ۲۰۰۹ء) قریب آجانے کے باوجود اب تک پورے ملک پر اپنا اقتدار نہیں جما سکی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس بات کا بھی خطرہ ہے کہ اسلامی گروپوں کی اپنے اپنے زیر اثر علاقوں میں کشمکش ان کے اقتدار تک پہنچنے میں تاخیر کرسکتی ہیں۔ خاص طور سے اس وجہ سے کہ جیبوتی معاہدے کے مخالف "اسمرہ بازو" کو اس بات پر اصرار ہے کہ ایتھوپیا کی قابض افواج کی واپسی جب تک نہ ہو جائے اس وقت تک مزاحمت جاری رکھی جائے۔ اس اصرار کی وجہ سے اسلامی گروپوں کے درمیان اختلافات برقرار رہنے کا احتمال ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صومالی سماج میں موجود قبائلی نظام کی وجہ سے ان اختلافات پر قابو پالیا جائے اور اس طرح یہ کشمکش زیادہ دن جاری نہ رہے۔ (ہفت روزہ الامان، بیروت، شمارہ ۸۳۳، ۲۱ نومبر ۲۰۰۸ء، صفحہ ۷)

میرا حجاب اطاعت خداوندی

نکہت ظہیر

مغربی مفکرین اور دانشوروں کے نزدیک مسلمان عورت پر بہت ظلم ہو رہا ہے۔ سب سے بڑا ستم یہ ہے کہ وہ پردے میں رہتی ہے۔ مغرب ہم کو اس قید سے آزادی دلانا چاہتا ہے۔ ہماری حکومت اور ہمارا میڈیا اس کام کو بھرپور طریقے سے کر رہے ہیں۔ لیکن ہم خواتین کیا چاہتی ہیں؟ کیا ہم اور ہمارا معاشرہ ان نتائج کو قبول کرسکتا ہے جو مغرب میں نظر آرہے ہیں؟

مغربی معاشرے میں عورت کی عزت کوڑیوں کے مول ہو چکی ہے۔ وہ عورتیں اپنے آپ کو منوانے میں کامیاب نہیں ہو گئی ہیں اور واپسی کا راستہ ڈھونڈ رہی ہیں؟ ہم مغرب کی تقلید تو کر رہے ہیں لیکن ان نتائج کو ہرگز قبول نہیں کرسکتے۔ آج بھی اگر کوئی لڑکی یا عورت چاہے وہ کتنی ہی ماڈرن اور بولڈ کیوں نہ ہو، اگر سنسان علاقے سے گزر رہی ہو اور اس کو احساس ہو جائے کہ کوئی غنڈہ، بدمعاش اس کا پیچھا کر رہا ہے تو اس کی جان نکل جائے گی۔ اس کو اپنا رب یاد آجائے گا اور وہ اس سے مدد مانگے گی۔ اپنی عزت بچانے کے لئے جان پر کھیل جائے گی۔ کیونکہ مسلمان عورت کی عزت اس کی متاع حیات ہے۔ گوہر نایاب ہے۔ اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے عورت کی عزت و آبرو کو محفوظ اور مامون رکھنے کے لئے خاص احکام دیئے ہیں تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں۔

پردہ یعنی حجاب ہمارے پروردگار کا حکم ہے، ہمارا رب، ہمارا خدا جو ہم کو دنیا کی سب نعمتیں دے رہا ہے۔ اس نے مسلمان عورتوں کو حجاب، پردہ کی نعمت سے بھی نوازا۔ اگر عورت چاہتی ہے کہ شریر کی شرارت سے تکلیف نہ پہنچے اور کسی شیطان کی شیطانیت سے نقصان نہ اٹھائے تو اس کو چاہئے کہ رضائے الٰہی کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام کی پابندی کرے۔

کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو بھی حکم دیئے

باقی صفحہ ۸ پر

خطوط ومسائل

ہندوستان کو اپنی خارجہ پالیسی پر غور کرنا چاہئے

ہندوستان کو اپنی خارجہ پالیسی پر دھیان دیتے ہوئے اس بات پر سوچنا چاہئے کہ ہندوستان کی خارجہ پالیسی سے غیر ممالک کہاں تک متفق ہیں اور کس ملک سے کس طرح کے سیاسی اور معاشی مفادات منسلک ہیں۔ ہندوستان اپنی خارجہ پالیسی میں تبدیلی لاتے ہوئے اسرائیل سے سیاسی تعلقات بڑھا رہا ہے۔ حالانکہ ماضی میں ہندوستان نے اسرائیل سے کبھی بھی سیاسی تعلقات قائم نہیں کئے۔ اسرائیل سے ہندوستان کے قریب ہونے کا مطلب اس سے بیشتر مسلم ممالک کا کنارہ کشی اختیار کرنا ہے۔ کیونکہ دنیا کے بیشتر مسلم ممالک اسرائیل سے تعلقات کے خلاف ہیں۔ اسرائیل امریکہ کا ایک سیاسی آلۂ کار ہے۔ امریکہ ہی اسرائیل کو وجود میں لایا اور فلسطین کے خلاف اسے کھڑا کردیا۔ اس طرح امریکہ فلسطین کے خلاف ہوتے ہوئے اسرائیل کے حق میں رہتا ہے لیکن فلسطین کے لئے تمام مسلم ممالک کی ہمدردیاں رہی ہیں اور ہندوستان کی بھی یہی پالیسی رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یونیسکو کی طرف سے عالمی سطح پر منعقد ہونے والی ہندو، مسلم اور عیسائی مذاہب کے رہنماؤں کی ایک کانفرنس میں جس میں مسئلہ فلسطین پر غور کیا جائے گا ہندوستان سے بھی ایک مسلم اور ایک ہندو رہنما کو مدعو کیا گیا ہے کیونکہ ہندوستان کے بارے میں عالمی رائے عامہ بھی اب تک یہی ہے کہ ہندوستان کی سیاسی ہمدردیاں فلسطین کے مظلوموں کے ساتھ ہیں — لیکن اب ہندوستان امریکہ کے اشاروں پر دنیا کے بہت سے ممالک سے اپنے سیاسی تعلقات منقطع کر رہا ہے اور مزید بڑھا بھی رہا ہے۔ اس طرح ہندوستان نے بھی وہی پالیسی اختیار کرلی ہے جو اب تک امریکہ کے ساتھ پاکستان اپناتا رہا ہے۔ پاکستان کے حکمرانوں نے امریکہ کی سیاسی غلامی اختیار کی ہے اور پاکستان امریکہ کے اشاروں پر چلنے پر مجبور ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کے سیاسی تعلقات خراب کرنے کی امریکہ کی ایک خاص سیاسی پالیسی ہے۔ وہ دونوں ممالک کو اپنے اشاروں پر نچا رہا ہے۔ لہٰذا ہندوستان کو امریکہ اور اس کی پالیسی کو سمجھنا چاہئے۔ ہندوستان امریکہ کے ساتھ ساتھ اسرائیل کے بھی قریب ہے اور ان دونوں ہی ممالک کی قربت ہندوستان کے لئے بہت مہنگی ثابت ہوسکتی ہے۔ پھر یہ کہ ہندوستان کو اپنے جیسے نظریات اور نظام کے ممالک عالمی سطح پر ملنے بہت مشکل ہیں۔ اس لئے اسے اپنی نرم خارجہ پالیسی پر غور کرتے ہوئے غیر ممالک کے ساتھ آزادانہ خارجہ پالیسی پر عمل کرنا چاہئے کیونکہ ہر ملک کے لئے اس کی خارجہ پالیسی سب سے اہم ہوتی ہے۔ اگر ملک کا حکمراں اس خارجہ پالیسی کو صحیح طور پر نہ سمجھتے ہوئے عمل کرتا ہے تو سیاسی لحاظ سے ملک کے لئے مضر ہوتا ہے۔

حکیم سراج الدین ہاشمی
ہاشمی دواخانہ، محلہ قاضی زادہ، امروہہ (یوپی)

مسلمان کے لئے اجتماعیت ضروری ہے

"ہم خود پر کوئی لیبل نہیں لگاتے، ہم ایک ہی کے ہو کر نہیں رہتے، ہم کسی جماعت کو برا نہیں کہتے، ہم ہر جماعت کے اجتماعات میں جاتے ہیں" وغیرہ وغیرہ۔ یہ قدیم فقرے ہیں جو آج بھی رائج ہیں۔ اس طرح کے خیالات رکھنے والے حضرات درحقیقت جوابدہی سے خوف زدہ ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ آزادی سلب ہو جائے۔ ان حضرات کے خیالات کا نقصاندہ پہلو یہ بھی ہے کہ وہ آزادانہ تنقید کو اپنا حق سمجھتے ہیں بلکہ اس طرح اظہار ہوتا ہے کہ تمام سمجھ بوجھ ان ہی میں ہے اور کسی بھی جماعت کے ارکان ناسمجھ اور معاملہ فہمی سے کوسوں دور ہیں، تنظیم سے دوری ایک طرح کی "سیف سائڈ" ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین آدمی جو کسی جنگل میں رہتے ہوں، ان کے لئے جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ اپنے میں سے کسی کو اپنا امیر منتخب کرلیں۔ افسوس کہ یہ حضرات زندگی کے سفر میں تنہا سفر کرنا چاہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص جنت کے وسط میں اپنا گھر بنانا چاہتا ہو اسے "الجماعت" سے چمٹا رہنا چاہئے۔ اس لئے کہ شیطان ایک آدمی کے ساتھ ہوتا ہے، اور جب وہ دو ہو جاتے ہیں تو وہ دور بھاگ جاتا ہے۔ جو جماعت سے الگ ہو کر تنہا زندگی گزارے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ یہ بھی کہا گیا کہ اس نے اپنے گلے سے اسلام کا طوق اتار پھینکا۔ بھیڑیا اس بکری کو ہلاک کر دیتا ہے جو اپنے ریوڑ سے الگ ہو جاتی ہے۔ لیکن رات دن یہ سنتے ہوئے بھی اسے اس طرح نظر انداز کردیا جاتا ہے گویا یہ احکام کسی اور کے لئے ہیں ان کے لئے نہیں۔ ان حضرات سے صرف ایک ہی سوال ہے کہ کیا جماعت سے الگ تنہا زندگی گزارنا افضل ہے؟

ابو المجاہد احمد جری، بخارہ والا، حیدرآباد

جنگ کی باتیں کرنیوالے نتائج سے بے خبر ہیں

شیوسینا چیف بال ٹھاکرے جیسے لوگ پاکستان سے جنگ کرنے کی بات کر رہے ہیں۔ ان کو شاید جنگ کے ہولناک نتائج واثرات کا اندازہ نہیں ہے۔ ہند۔ پاک جنگ یعنی ایٹمی جنگ دونوں ملکوں کے شہروں کی حالت کو ہیروشیما اور ناگاساکی سے بدتر بنادے گی۔ اگر بھارت کی طرف سے جنگ کا اعلان وآغاز ہوتا ہے تو وہ دنیا کی ہمدردی سے محروم ہو جائے گا اور اس کا فائدہ پاکستان کو ملے گا۔ علاوہ ازیں اگر جنگ شروع ہوئی تو وہ ہماری مغربی سرحدوں تک محدود نہیں رہے گی۔ پورا برصغیر اور چین جنگ کی لپیٹ میں آجائے گا۔ باجپئی حکومت کے وزیر دفاع جارج فرنانڈیز نے کہا تھا کہ بھارت کا سب سے بڑا دشمن چین ہے۔ چین دنیا کا دوسرا سپر پاور بن گیا ہے جو پاکستان کا دوست اور حمایتی ہے۔ وہ جنگ کے اکھاڑے میں کود جائے گا۔ چین نے ۱۹۶۲ء میں بھارت کے شمال مشرقی علاقے پر حملہ کیا تھا اور ہمارے ہزاروں مربع میل علاقے پر قابض ہوگیا تھا۔ وہ سب علاقے اور ہندوؤں کے مقدس مقامات کیلاش اور مان سرور آج تک چین کے قبضے میں ہیں۔ چین کے سرکاری نقشے میں سکم اور اروناچل پردیش کو چین کا حصہ بتایا گیا ہے۔ امریکہ پر بھی بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ وہ ہمیشہ پاکستان کا حمایتی رہا ہے۔ اقوام متحدہ بھی امریکہ کا غلام ہے۔ اس سے انصاف کی امید نہیں۔ مظلوم فلسطین اور تباہ شدہ افغانستان اور عراق اس کا ثبوت ہیں۔ کیا ہم کئی محاذ پر جنگ کرنے کی پوزیشن میں ہیں؟ جنگ۔ خدا نہ کرے ایٹمی جنگ۔ برصغیر کی موجودہ معاشی پسماندگی، غربت و بیروزگاری میں بہت اضافہ کردے گی اور گزشتہ ساٹھ سال میں جو تھوڑے بہت تعمیر و ترقی کے کام ہوئے ہیں انہیں برباد کردے گی۔

غلام الحسنین کیف (کوکا نوی) مین روڈ، بھنڈارا (مہاراشٹر)

حیا سے حیا آتی ہے

مسز عفت عبدالواحد

اب خواتین کو حیا کرتے ہوئے حیا آتی ہے اور بے حیائی میں شرم محسوس نہیں ہوتی۔ مرد کے لئے اسوۂ نبوی ﷺ ٹخنوں کو کھولنا ٹھہرا اور عورت کو ڈھانپنے کا حکم ہوا۔ جدت پسندی نے عورت کے ٹخنے کھول دیئے اور مرد کے ڈھانپ دیئے۔ شدید ترین سردی میں مغربی ممالک میں جب مرد تہہ در تہہ گرم تھری پیس سوٹ اور اوپر اوور کوٹ پہنے ہوئے ہے تو عورت باریک ترین اسٹاکنگ (برہنہ ٹانگوں پر پہنے جانے والے نام نہاد لمبے موزے) میں مارے ترقی پسندی کے ٹھٹھرتی پھر رہی ہے۔ مغرب کی عورت کو دیکھتے دیکھتے ہماری خاتون جہاں جہاں لباس میں ترمیم کرسکتی ہے کر گزرتی ہے۔ آستین آدھی کردی اور سرکتے سرکتے مزید غائب ہوگئی۔ مکھیوں مچھروں سے بچانے کے لئے استعمال ہونے والی جالی کے کپڑے کو اٹھا کر دوپٹہ بنا لیا، اوڑھ لیا اوڑھنی کے نام پر تہمت دھرنے کو۔ اچھا بھلا کپڑا خرید کر قمیص میں آگے پیچھے روزن بنادیئے۔ چھ گز کپڑا ساڑھی کے نام پر لپیٹ لیا مگر اس کمال کے ساتھ کہ حیا منھ چھپا کر رہ گئی۔ ہر برائی کو فلسفے کا جامہ پہنا کر خوبصورت بنالیا۔ حیا کا تصور سمجھا ہی نہیں، غرض وغایت جانی ہی نہیں۔ حیا عورت کا تحفظ تھی، وہ عورت جو اسلامی معاشرے کی روح، اس کی خوشبو ہے، جو لٹ جائے تو معاشرہ بانجھ ہو جاتا ہے۔

اہم خبروں کا اختصار

ملکی

● رانچی: جھارکھنڈ کے تمار ضمنی اسمبلی الیکشن میں وزیراعلیٰ شیبو سورین جھارکھنڈ پارٹی کے امیدوار راجہ پیٹر سے ۹۰۶۲ ووٹوں سے ہار گئے۔

● نئی دہلی۔ سماجوادی پارٹی نے اپریل۔ مئی میں مجوزہ پارلیمانی انتخابات کے لئے ۲۹ امیدواروں کی فہرست جاری کی۔

● نئی دہلی۔ سابق نائب صدر جمہوریہ بھیروں سنگھ شیکھاوت نے بی جے پی صدر راج ناتھ سنگھ کے اس بیان پر کہ پارٹی مسٹر شیکھاوت کو لوک سبھا الیکشن لڑنے کے لئے نامزد نہیں کرے گی، کہا کہ جب وہ سیاست میں سرگرم تھے تو راج ناتھ سنگھ کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔

● ممبئی۔ شیو سینا کے سربراہ بال ٹھاکرے نے پارٹی کے ترجمان 'سامنا' کے اداریے میں کہا کہ میں ہیمنت کرکرے کی بیوہ اور بیٹی کی اس رائے کی حمایت نہیں کرتا کہ عامر اجمل قصاب کو انسانی بنیاد پر رہا کرکے انھیں اپنی زندگی جینے اور غلطی کا احساس کرنے دیا جائے۔

● چینئی۔ سری لنکا میں تملوں کے تحفظ میں ناکام رہنے پر یہاں وزیراعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ کے خلاف سیاہ پرچم کے ساتھ احتجاج کیا گیا۔

● چینئی۔ وزیر خارجہ پرنب مکھرجی نے ساتویں پرواسی بھارتیہ دیوس کے موقع پر ایک اجلاس کی صدارت کے دوران کہا کہ غیر مقیم ہندوستانیوں کو حق رائے دہی دینا عملاً ممکن نہیں ہے۔ اس سے انتخابی کام بہت بڑھ جائے گا کیونکہ یوں بھی ہندوستانیوں کی آبادی میں دس کروڑ کا اضافہ ہوگا۔

● چینئی۔ وزیر خارجہ پرنب مکھرجی نے کہا ہے کہ وہ دن دور نہیں جب راہل گاندھی اس ملک کے وزیراعظم ہوں گے۔ راجیو گاندھی ۴۰ سال کی عمر میں وزیراعظم بنے تھے اور راہل گاندھی ان ہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

● نئی دہلی: سماجوادی پارٹی کے قومی جنرل سکریٹری امر سنگھ نے کہا کہ اگر یو پی اے سرکار ۱۴ر جنوری تک پاکستان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرتی ہے تو اس کے بعد سرکار کو دی جانے والی حمایت پر غور کیا جائے گا۔

● نئی دہلی۔ بی جے پی کے لیڈر روی شنکر پرساد نے جھارکھنڈ کے وزیراعلیٰ شیبو سورین کی ضمنی الیکشن میں شکست پر کہا کہ کانگریس اور راشٹریہ جنتا دل جھارکھنڈ کے ساتھ اور مذاق کرنا بند کرے اور ریاست میں صدر راج نافذ کرکے وہاں پھر سے اسمبلی انتخابات کرائے۔

● نئی دہلی۔ بی جے پی نے اوپی کوہلی کو پارٹی کی دہلی اکائی کا صدر بنایا ہے۔

● نئی دہلی: مرکزی وزیر پٹرولیم مرلی دیورا نے کہا کہ حکومت جلد ہی تیل اور گیس کی قیمتوں میں کمی کا اعلان کرے گی، انھوں نے پٹرول کی قیمت میں پانچ روپے، ڈیزل میں دو روپے اور رسوئی گیس کی قیمت میں ۲۰ سے ۲۵ روپے تک کمی کا اشارہ دیا۔

● نئی دہلی۔ چودہ تیل کمپنیوں کے تقریباً ۵۵ ہزار افسروں کی ہڑتال حکومت کی سختی کے بعد ۹ر جنوری کو ختم ہوگئی۔

● نئی دہلی۔ مرکزی وزیر داخلہ پی چدمبرم نے سات نکسل متاثرہ ریاستوں کے وزراء اعلیٰ کی میٹنگ میں کہا کہ اگر ضرورت پڑی تو نیشنل انویسٹی گیٹنگ ایجنسی (این آئی اے) ایکٹ پر پھر سے غور کیا جاسکتا ہے۔

● نئی دہلی۔ وزیر دفاع پرنب مکھرجی نے پھر سے تینوں فوجی سربراہوں کے ساتھ میٹنگ کی اور دفاعی تیاریوں کا جائزہ لیا۔

● گونڈہ: کانگریس کے جنرل سکریٹری دگ وجے سنگھ نے یہاں کہا کہ اتر پردیش میں لوک سبھا انتخابات کے لئے کانگریس اور سماجوادی پارٹی میں ۷۰ نشستوں پر اتفاق ہوگیا ہے۔

● نئی دہلی۔ معروف سافٹ ویئر کمپنی ستیم کے چیئرمین بی راما لنگا راجو نے عہدے سے استعفیٰ دیتے ہوئے یہ قبول کیا کہ نقد اور بینک کھاتوں میں خرد برد ہوا ہے۔ حکومت معاملے کی جانچ کرا رہی ہے۔

● ناگپور: نئے سال کے پہلے پانچ دن کے دوران ودربھ علاقے میں قرض کے بوجھ تلے دبے دس کسانوں نے خودکشی کرلی۔ گزشتہ تین برسوں میں پانچ ہزار کسان خودکشی کرچکے ہیں۔

● نئی دہلی۔ سپریم کورٹ نے مہاراشٹر نونرمان سینا کے سربراہ راج ٹھاکرے کے خلاف جمشید پور کی ایک عدالت سے غیر ضمانتی وارنٹ جاری کرنے کے حکم کو تا اطلاع ثانی موقوف کردیا ہے۔

● گوہاٹی۔ آسام کے دار الحکومت دسپور میں نئے سال کے موقع پر ہوئے سلسلہ وار بم دھماکوں کے سلسلے میں ریاستی پولیس نے اب تک اٹھارہ افراد کو گرفتار کیا ہے۔

غیر ملکی

● غزہ۔ غزہ میں اسرائیلی فوجیوں کے ذریعے زخمیوں کو لے جانے والی ایمبولینس گاڑیوں پر حملوں کے بعد انٹرنیشنل فیڈریشن آف ریڈ کراس اور ریڈ کریسنٹ سوسائٹیز نے اپنی سرگرمیاں بند کردی ہیں۔ غزہ میں اب تک چودہ مساجد شہید کردی گئیں۔

● دمشق۔ حماس کے سیاسی شعبہ القسام بریگیڈ نے پانچ دنوں میں ۱۳۰ اسرائیلی فوجیوں کو ہلاک اور اسرائیلی ٹینک مرکاوا کو تباہ کردیا۔ یہ دعویٰ القسام بریگیڈ کے رکن محمد نزال نے کیا۔

● جدہ۔ سعودی عرب کے فرمانروا شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز نے دنیا کے بڑے ممالک کی خاموشی پر سخت تنقید کرتے ہوئے کہا کہ عالمی برادری نے اسرائیلی جارحیت پر جس طرح خاموشی اختیار کر رکھی ہے اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اگر عرب اور اسلامی ممالک اس تباہ کن بحران سے نمٹنے کے لئے مشترکہ کارروائی پر متفق ہوں تو سعودی عرب کو سب سے آگے پائیں گے۔

● جدہ۔ سعودی عرب کے سابق سفیر برائے امریکہ شہزادہ ترکی الفیصل نے نومنتخب امریکی صدر بارک اوباما کے نام ایک خط میں کہا کہ بش انتظامیہ آپ کے لئے بیہودہ ورثہ چھوڑ کر جارہی ہے جس میں غزہ پر ہونے والے صیہونی حملوں پر اس کی لاپروائی بھی شامل ہے۔ بس اب بہت ہوچکا۔ آج سے ہم سب فلسطین میں فلسطینیوں کے لئے اور ان کے غزہ کے شہداء کے لئے شہید ہونا چاہیں گے۔

● جدہ۔ سعودی عرب میں غزہ کے محصور اور مظلوم فلسطینیوں کے لئے چندے کی مہم سے دو سو کروڑ سے زائد کی ریلیف غزہ بھیجی گئی۔

● واشنگٹن۔ امریکہ میں نئی سرکار سنبھالنے سے دو ہفتے قبل صدر جارج ڈبلیو بش اور نومنتخب صدر بارک اوباما نے یہاں وہائٹ ہاؤس میں سابق صدور سے ملاقات کی۔

● واشنگٹن۔ امریکہ نے سالانہ دہشت گردی کے واقعات پر نیا کیلنڈر جاری کردیا ہے جس میں بتایا گیا کہ امریکہ کو مطلوب افراد میں اسامہ بن لادن کا نمبر پہلا اور ایمن الظواہری کا دوسرا ہے۔

● واشنگٹن۔ امریکہ کے اندرونی سلامتی کے مشیر کیمن وین اسٹین نے کہا ہے کہ امریکی شہروں میں بھی ممبئی جیسے حملے ہوسکتے ہیں۔

● کولمبو: سری لنکا میں فوج نے تمل باغیوں کے قلب والے جزیرہ نما جافنا کو اپنے قبضے میں لے لیا ہے اور فضائیہ نے باغیوں کی کشتیوں کو تباہ کرکے ان کی بحری طاقت کو تباہ کردیا۔

● اقوام متحدہ۔ امریکہ کی وزیر خارجہ کنڈولیزا رائس نے کہا ہے کہ وہ اسرائیل پر دباؤ ڈال رہی ہیں کہ وہ جنگ بندی کے لئے مصر کے منصوبہ پر سنجیدگی سے غور کرے جبکہ سلامتی کونسل میں اس بات کی کوشش کی جارہی ہے کہ اس مسئلے پر کوئی مشترکہ راہ نکل آئے۔

● ٹوکیو۔ عالمی مالیاتی بحران سے متاثرہ دو ایشیائی کمپنیوں جاپانی کمپنی ٹی ڈی کے اور چین کی کمپنی لینوو نے ہزاروں ملازمین کی چھٹی کا اعلان کیا ہے۔

● کراچی۔ پاکستان نے اعتراف کرلیا کہ ممبئی حملہ آور عامر اجمل قصاب پاکستانی ہے۔ اس سے قبل پاکستان کے قومی سلامتی مشیر محمود علی درانی کو اس بابت بیان دینے سے عہدے سے برطرف کردیا گیا تھا۔

● لندن۔ پاکستان کے سابق وفاقی وزیر انصار برنی نے کہا کہ ممبئی حملوں میں گرفتار عامر اجمل قصاب کی شہریت کے معاملے میں حکومت نے جو رول ادا کیا اور اس سے پاکستان کو جو شرمندگی اٹھانی پڑی اس کے لئے وزیر داخلہ رحمن ملک کو فوراً مستعفی ہوجانا چاہئے۔

● کولمبو۔ حکومت سری لنکا نے پھر سے ایل ٹی ٹی ای پر پابندی عائد کردی۔

● کابل۔ افغانستان میں مختلف واقعات میں چالیس افراد مارے گئے۔

● ماسکو۔ روس نے یوکرین کے راستے یورپ کو قدرتی گیس کی سپلائی بند کردی۔

● کراکس: وینزویلا نے معصوم فلسطینیوں کی ہلاکت پر برہمگی کا اظہار کرتے ہوئے اسرائیلی سفیر کو ملک بدر کرتے ہوئے اسرائیلی کارروائی کو بربریت قرار دیا اور عالمی عدالت میں امریکہ اور اسرائیل کے خلاف مقدمہ چلانے کا مطالبہ کیا۔ ادھر اسرائیل نے بھی جوابی کارروائی کرتے ہوئے وینزویلا کے سفیر کو ملک بدر کردیا۔

ممبئی دہشت گردی سے متعلق چند سوالات

نعیم اللہ شریف، جدہ

ممبئی میں دہشت گردانہ حملوں سے قبل اور بعد کے حالات، راست فائدہ یا نقصان کس کو ہوا؟ سازشی کون ہیں؟ دکھائی دیتا اور ہے اور ہوتا کچھ اور ہے؟ عوامی غصہ سے پیدا شدہ حالات میں حسب سابق اصل مجرم تو آزاد ہیں اور نزلہ کسی اور پر گر رہا ہے؟ چند اہم سوالات جو پیچیدہ مسائل کو سمجھنے میں رہنمائی کرسکتے ہیں۔ ۲۶/۱۱ کو ممبئی میں ہوئے دہشت گردانہ حملے اور ساٹھ گھنٹوں کے ڈرامے میں ۱۷۹ معصوم افراد ہلاک اور ۳۲۶ زخمی ہوئے۔ ہندوستان کی برق رفتار ترقی پر ایک دھکا سا لگا اور ہندو مسلم اتحاد میں بدمزگی اور بہتری کی طرف گامزن ہند و پاک تعلقات میں دراڑ پیدا کرنے کی کامیاب کوشش ہوئی۔ میڈیا کا رول انتہائی اہم رہا۔ ہندوستانی وزیر داخلہ شیوراج پاٹل، چیف منسٹر مہاراشٹر کو بھی اپنے عہدوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔ پارلیمنٹ میں وزیر اقلیتی بہبود عبدالرحمن انتولے نے جب اے ٹی ایس چیف ہیمنت کرکرے اور دیگر پولیس افسران کی موت کی تحقیقات کی بات کی تو پریوار پارٹیوں کے اراکین آگ بگولہ ہوئے اور عبدالرحمن انتولے کو برخاست کرنے کا مطالبہ شروع کردیا۔

۲۶/۱۱ واقعہ سے پہلے اور بعد کے حالات کا سرسری جائزہ۔ ☆ ایک سوال یہ کہ عین الیکشن سے پہلے بم دھماکے یا دہشت گردانہ حملے کیوں ہوتے ہیں؟ اور فائدہ کون لوگ اٹھاتے ہیں؟ ☆ کرناٹک الیکشن سے عین قبل احمد آباد، سورت اور بڑودہ میں دھماکے ہوئے اور فائدہ کس کو ہوا؟ ☆ راجستھان، مدھیہ پردیش، دہلی اور چھتیس گڑھ کے الیکشن سے عین قبل ممبئی میں دہشت گردانہ کارروائی ہوتی ہے جس میں تحقیقاتی ایجنسیوں کے مطابق لشکر طیبہ کے تربیت یافتہ دہشت گرد ملوث تھے۔ آج تک یہ پتہ نہ چل سکا کہ دہشت گردوں کے مقاصد کیا تھے؟ ☆ حکومت پہلے پاکستان کو پھر آئی ایس آئی اور اب لشکر طیبہ کو دہشت گردانہ کارروائی کے لئے ذمہ دار ٹھہراتا، بار بار بیان میں تبدیلی کیوں؟ ☆ 'را' کے مطابق ماہ ستمبر میں متنبہ کیا گیا تھا کہ سمندری راستے سے دہشت گردانہ حملہ ہوسکتا ہے اور تاج، اوبرائے، میریٹ ممبئی کی بڑی ہوٹلیں نشانہ بن سکتی ہیں۔ پھر احتیاطی تدابیر اختیار کیوں نہیں کی گئیں؟ ☆ نیوی، بارڈر سیکورٹی فورس اور پولیس کی سخت نگرانی کے باوجود دہشت گرد ہتھیاروں کے ساتھ ممبئی شہر میں داخل ہونے میں کامیاب کیسے ہوئے؟

☆ ممبئی پولیس ایک بات پر کیوں اڑی ہوئی ہے کہ صرف دس دہشت گردوں نے حملے میں حصہ لیا تو کیا یہ ممکن ہے کہ ایک ساتھ مقامات پر حملے کرنے میں کامیاب ہوں۔ وجے سالسکر نے اپنے نمائندے کو جب تاج ہوٹل کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا تو وہ دیگر مسافروں کے ساتھ دہشت گردوں کے ذریعے اغوا کرلیا گیا اور دوسرے دن آزاد ہوا اور اس پولیس والے کے مطابق صرف تاج ہوٹل میں ہی سترہ دہشت گرد موجود تھے۔ ایک اندازے کے مطابق چالیس تا پچاس دہشت گردوں نے آپریشن میں حصہ لیا۔ تین دنوں تک انڈین کمانڈوز اور فورسیز سے لڑتے رہے۔ باقی دہشت گرد ممبئی میں کہاں غائب ہوگئے؟ ☆ اے ٹی ایس چیف ہیمنت کرکرے، اے سی پی اشوک کامٹے اور پولیس انکاؤنٹر ماہر سالسکر کو ایک ساتھ کاما ہاسپٹل کے قریب سی آئی ڈی ہیڈکوارٹر پر کس نے فون کرکے بلایا؟ پاکستانی دہشت گردوں کو کیا پتہ کہ ایک گاڑی میں اعلیٰ پولیس افسران موجود ہیں؟ کاما ہاسپٹل ملازمین کے مطابق دہشت گرد مراٹھی میں بات کر رہے تھے، کیا وہ مراٹھی سیکھ کر آئے تھے؟ ☆ حراست میں موجود کرنل سری کانت پرساد پروہت کے مطابق آر ایس ایس، آئی ایس آئی اور موساد کے آپس میں تعلقات ہیں اور بعض اہم لوگوں کو مارنے کے عزائم رکھتے ہیں۔ سری کانت پرساد پروہت کے لیپ ٹاپ سے وہ ۵۳ نام کہاں غائب ہوگئے؟ ☆ مغربی میڈیا کے مطابق آئی ایس آئی کی جانب سے آر ایس ایس کو دیئے گئے تین کروڑ روپے کی کیا ڈیل تھی؟ آر ایس ایس نے اس کی تردید کیوں نہیں کی؟ ☆ ممبئی حادثے سے دو دن قبل اے ٹی ایس چیف ہیمنت کرکرے کو جان سے مارنے کی دھمکی کس نے اور کیوں دی؟ ☆ کرکرے کس کے لئے خطرہ بن رہے تھے؟ مالیگاؤں بم دھماکوں میں کون ملوث ہیں؟ چونکہ مالیگاؤں کے ساتھ حیدرآباد، ممبئی اور سمجھوتہ ایکسپریس بم دھماکوں میں مماثلت تو نہیں؟ ☆ یہودیوں کا مرکز چھبڈ ناریمن ہاؤس پر دو ماہ سے مشکوک لوگوں کا آنا جانا تھا، کیا سیکورٹی ایجنسیوں کو اس کی اطلاع تھی یا نظر انداز کردیا تھا؟ ☆ دہشت گرد اگر جہادی ہوتے تو ایک جوڑے کے علاوہ سارے یہودیوں کو بخیر وعافیت ناریمن ہاؤس سے جانے کی اجازت کیوں دے دی گئی؟ صیہونیوں اور یہودیوں کو بچانے والے دہشت گرد کون تھے؟ ☆ سارے الیکٹرانک میڈیا پر انڈین مجاہدین اور دکن مجاہدین کا سبق پڑھ رہے تھے، پھر خود بخود خاموش کیوں ہوگئے اور پاکستان کا سبق پڑھنا شروع کردیا کیونکر؟ ☆ بالفرض اگر ممبئی پولیس کی بات مان بھی لیں کہ صرف دس دہشت گرد تھے تو کیا یہ ممکن ہے کہ مقامی مدد کے بغیر دس مقامات پر اتنے بڑے پیمانے پر دہشت گردی کے حملے کرنے ممکن ہوتے؟ ☆ کانگریس اور بی جے پی دونوں پاکستان کے خلاف نعرے لگانے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جارہے ہیں۔ وزیراعظم کو بی جے پی لیڈر لال کرشن اڈوانی کے ساتھ ممبئی جانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ کہیں دونوں کا ووٹ بینک ایجنڈا تو نہیں؟ ☆ اس وقت کے وزیر داخلہ شیوراج پاٹل کا استعفیٰ تو فوراً منظور کرلیا گیا، لیکن کسی بھی حادثے پر فوراً بیان دینے والے سیکورٹی ایڈوائزر ایم کے نارائنن کا استعفیٰ منظور نہ کرنا کوئی معقول وجہ؟

☆ نریندر مودی اور رتن ٹاٹا کا تاج ہوٹل میں کیا رول ہے؟ تاج ہوٹل کے روم نمبر ۶۳۰ میں کتنے دنوں سے دہشت گرد ہتھیار بارود جمع کر رہے تھے؟ کیا انتظامیہ کو اس کی کوئی خبر تھی؟ اتنی بڑی ہوٹل میں ہتھیار گولہ بارود جمع کیا جاتا رہا، کیا کوئی معقول سیکورٹی نظام نہیں؟

☆ نریندر مودی نے ہیمنت کرکرے اور پولیس افسران کے افراد خاندان کو ایک کروڑ روپے کے انعام کا اعلان کیوں کیا؟ جس کو ان کے خاندانوں نے مسترد کردیا۔

☆ کیا اقلیتی بہبود کے وزیر اعلیٰ عبدالرحمن انتولے کا مطالبہ غیر واجبی تھا کہ شہید پولیس افسروں کے قتل کی تحقیقات ہوں؟ تحقیقات کروانے کے موضوع پر صرف پریوار کیوں چراغ پا ہو رہے ہیں؟

☆ حکومت نے این آئی اے جیسے قانون کو لاگو کرنے سے کیا دہشت گردی پر قابو پایا جاسکے گا؟ اور کیا اس قانون کا بے جا استعمال نہیں ہوسکے گا؟

☆ پریوار پہلے تو ہیمنت کرکرے کے خلاف بیان بازی کر رہے تھے اب ان کی موت کے بعد خاموش کیوں ہیں؟ قانون اور انصاف کے تقاضے کے مطابق تحقیقات کے مخالف کیوں ہیں؟

☆ بعض کے خیال میں پاکستان پر حملے کرنے اور ہوائی بمباری کرنے کے لئے حکومت پر دباؤ ڈال رہے ہیں جن میں پریوار بھی پیش پیش ہیں۔ پاکستان پر حملہ کرنے سے کیا مسائل حل ہوجائیں گے؟ بار بار پاکستان کا نام لے کر ملک کے سامنے موجود اہم مسائل مہنگائی، سیکورٹی اور رشوت خوری سے توجہ ہٹا کر الیکشن جیتنے کی کوشش تو نہیں؟ ہمیں سنجیدگی سے ان سوالات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ نہیں؟

جامعۃ الفلاح کے نئے ذمہ داران

مجلس شوریٰ جامعۃ الفلاح کی میٹنگ منعقدہ ۳۱ر دسمبر ۲۰۰۸ء کو مندرجہ ذیل ذمہ داران کا انتخاب آئندہ میقات کے لئے عمل میں آیا: (۱) شیخ الجامعہ مولانا سید جلال الدین عمری (۲) ناظم جامعہ مولانا محمد طاہر مدنی (۳) نائب ناظم جامعہ جناب محمد احمد (۴) معتمد مال ڈاکٹر محمد داؤد (۵) معتمد تعلیم و تربیت مولانا سلامت اللہ اصلاحی۔

دعوت کا اگلا شمارہ (۱۶ر جنوری ۲۰۰۹ء)
"انسداد دہشت گردی کا نیا قانون کیوں؟"
کے جائزے پر مشتمل ہوگا۔

مرکز کا ہفتہ وار پروگرام

مسئلہ فلسطین پر عالم عرب کی سرد مہری قابل افسوس ہے

نئی دہلی۔ مرکز جماعت اسلامی ہند کے ہفتہ وار پروگرام منعقدہ ۳ر جنوری میں مسلم مجلس مشاورت کے صدر ڈاکٹر ظفر الاسلام خاں نے حماس کے کنٹرول والے فلسطینی خطے پر غزہ کی تازہ صورتحال پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ نہتے فلسطینیوں پر اسرائیل کی شدید وحشیانہ بمباری اور وسیع پیمانے پر ہلاکتوں کے تناظر میں انھوں نے کہا کہ فلسطین کے مظلومین آج سے نہیں بلکہ ۱۹۴۸ء سے اسرائیل اور اس کے حامیوں کے ظلم و ستم برداشت کرتے آرہے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۴۸ء میں فلسطینیوں کے قتل عام کے نتیجے میں ۵.۵ ملین فلسطینی پڑوسی ممالک اور دنیا کے دوسرے ملکوں میں پناہ لینے پر مجبور ہوگئے۔ اس وقت غزہ میں نوے فیصد باشندے مہاجر ہیں جو چھوٹے چھوٹے تنگ مکانوں میں پناہ گزیں ہیں۔ اس میں ۲ لاکھ ایسے فلسطینی باشندے ہیں جنھیں اقوام متحدہ نے ریفیوجی تسلیم کیا ہے اور اس کی طرف سے انھیں راشن ملتا ہے۔ مگر اسرائیلی حکام کی زیادتی کی وجہ سے آج وہ اس راشن سے بھی محروم ہیں اور حملے کے آغاز سے ہی یو این او کا وہ راشن غزہ سے باہر پڑا ہے۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام خاں نے کہا کہ ان کا قصور صرف یہ ہے کہ وہ اسرائیل کو تسلیم نہیں کرتے اور اس کے آگے سرینڈر کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ان کا موقف ہے کہ اسرائیل خود فلسطین کا حصہ ہے اور اس کی تائید میں خود اقوام متحدہ کی تقریباً تین سو قراردادیں موجود ہیں حالانکہ اقوام متحدہ فلسطین کے صرف ۵۶ فیصد حصے کی واپسی کی بات کرتا ہے جبکہ اسرائیل ۸۲ فیصد فلسطینی زمینوں پر قابض ہیں۔ حماس لیڈر اسماعیل ہنیہ تو اس پر بھی تیار ہیں کہ اسرائیل ۱۹۶۷ء کی پوزیشن پر واپس آجائے اور بیت المقدس اور مغربی کنارے سے ہٹ جائے۔

انھوں نے کہا کہ جب اسرائیل کہتا ہے کہ ہمیں اس فوجی کارروائی کی تائید بعض عرب ممالک کی طرف سے حاصل ہے تو اس سے مراد مصر ہوتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ حماس کے جیالوں نے اسرائیلی آبادی پر راکٹوں کی بارش کرکے ان کے لئے گھروں میں رہنا مشکل کردیا ہے۔ انھوں نے تازہ اسرائیلی حملے کے اسباب و محرکات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ اسرائیل میں چھ ہفتے کے اندر عام انتخابات ہونے والے ہیں۔ کہا جارہا ہے کہ یہ حملہ الیکشن جیتنے کے مقصد سے کیا گیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ غزہ پر حملہ ایسے وقت ہوا جب سنیچر کا دن تھا اور حماس کے قائدین ایسے کسی غیر متوقع حملے سے مطمئن تھے کیونکہ سبت (سنیچر) کا دن یہودیوں کے نزدیک مقدس ہے اور اس روز ایسی جارحانہ کارروائی کا وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ ڈاکٹر ظفر الاسلام خاں نے کہا کہ اسرائیل کسی ایسے فارمولے کی تلاش میں ہے کہ جنگ بندی کرا دی جائے جبکہ حماس کی شرط یہ ہے کہ اس کی سرحد تک پر واقع تمام چیک پوسٹ کھول دی جائیں تاکہ دواؤں اور غذائی اشیاء وغیرہ کی آمد بحال ہوجائے۔ ڈاکٹر خاں نے کہا کہ اسرائیل اور حماس کے درمیان جاری جنگ کی مثال ہاتھی اور چوہے کی ہے مگر چوہا اپنی شکست ماننے کے لئے تیار نہیں ہے۔ انھوں نے اس سنگین صورتحال پر عالم عرب اور عالمی رائے عامہ کی سرد مہری پر نہایت رنج اور افسوس کا اظہار کیا اور حماس کی کامیابی کے اشارے دیے۔

امریکی و اسرائیلی مصنوعات کا بائیکاٹ

کوالالمپور۔ غزہ میں اسرائیلی فوج کی دہشت گردی اور فلسطینی عوام کے قتل عام کے خلاف ملائیشیا، برطانیہ، اٹلی اور دیگر کئی یورپی ممالک میں اسرائیلی اور امریکی اشیاء کے بائیکاٹ کی مہم شروع ہوگئی ہے۔ لیکن مغربی ممالک نے اس بائیکاٹ مہم پر سخت ردعمل کا اظہار بھی شروع کردیا ہے۔ اٹلی سے موصولہ اطلاع کے مطابق روم میں ایک مزدور یونین، دی فلیبا کلب یونین نے جو دکانوں اور مالس میں کام کرنے والے ہزاروں مزدوروں کی نمائندگی کرتی ہے۔ روم میں یہودی مالکان کی دکانوں اور تجارتی اداروں کے بائیکاٹ کا اعلان کیا ہے۔ یونین نے کہا کہ ان کے کارکنان خریداروں سے کہیں گے کہ وہ کپڑوں کی ان دکانوں اور اسٹوروں سے خریداری نہیں کریں جس کے مالکان زیادہ تر رومن یہودی ہیں۔

ادھر ملائیشیائی مسلمانوں کے گروپ نے امریکی مصنوعات کا بائیکاٹ شروع کردیا ہے۔ مظاہرین غزہ پٹی میں اسرائیل کی فوجی کارروائی روکنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ فلسطینیوں کے خلاف دو ہفتے سے زائد جاری فوجی کارروائی سے دنیا بھر کے مسلمانوں میں غم و غصہ میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ ملائیشیا کے مسلم کنزیومرز ایسوسی ایشن نے کہا ہے کہ جنوب مشرقی ایشیائی ممالک میں مسلمانوں کو اسرائیلی حملے اور امریکہ کی بے عملی کے خلاف احتجاج میں کوکنگ، پالسولیو کمپنی، کوکا کولا اور کافی چین اسٹار بکس کی مصنوعات کا بائیکاٹ کرنا چاہئے۔ ایسوسی ایشن کے ایک عہدیدار عمر عثمان نے نماز جمعہ کے بعد جامع مسجد میں نامہ نگاروں کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ہم پوری دنیا کے مسلم صارفین سے اتحاد کی اپیل کرتے ہیں تاکہ اسرائیل اور اس کے اتحادیوں کو سبق سکھا سکیں۔ اس سے فلسطینیوں کے خلاف اسرائیل اور اس کے اتحادیوں کا تکبر اور مظالم کے خلاف احتجاج ظاہر ہوگا۔ انھوں نے ملائیشیائی حکومت سے امریکی ملکیت والی تمام کمپنیوں کے ٹھیکے ختم کرنے کا بھی مطالبہ کیا۔

اسرائیل کے خلاف مظاہرہ

لدھیانہ۔ غزہ پر اسرائیلی حملہ اور فلسطینی عوام پر مظالم کے خلاف پنجاب کے شاہی امام مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کی سربراہی میں ایک مظاہرہ کا اہتمام کیا گیا۔ مظاہرے میں بڑی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی۔ اس موقع پر مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی نے فلسطین کے تعلق سے عرب ممالک کے رویے پر سخت تنقید کرتے ہوئے عالم اسلام سے اس مسئلے پر فوری اور سنجیدہ اقدام کی اپیل کی۔ انھوں نے اس مسئلے پر ملک کی مرکزی حکومت کی خاموشی پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ اسرائیل کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے فراق میں خاموش ہے۔

بارہ نئی یونیورسٹیوں کا قیام

نئی دہلی۔ مرکزی حکومت نے چار یونیورسٹیوں کو سنٹرل یونیورسٹی میں تبدیل کرنے اور بارہ ریاستوں میں ایک ایک سنٹرل یونیورسٹی کے قیام کے لئے آرڈیننس جاری کرنے کا فیصلہ کیا۔ وزیراعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ کی صدارت میں کابینہ کی میٹنگ میں یہ فیصلہ کیا گیا۔

جرنلزم اسکالرشپ

نئی دہلی۔ ایسے طلبا و طالبات جنھوں نے جرنلزم (پرنٹ/ الیکٹرانک) کے کسی منظور شدہ کورس (ڈپلوما / ڈگری) میں سال 2008-2009 کے لئے داخلہ لیا ہو وہ جرنلزم اسکالرشپ برائے (2008-2009) کے لئے متعینہ فارم کے ذریعے درج ذیل پتے پر درخواست دے سکتے ہیں۔ فارم جمع کرنے کی آخری تاریخ ۳۱ر جنوری ۲۰۰۹ء ہے۔ فارم درج ذیل پتے سے ذاتی طور پر یا مکمل پتے کے ساتھ پانچ روپے کی ٹکٹ لگا لفافہ بھیج کر منگا سکتے ہیں۔

Secratary
AFKAR FOUNDATION
632/9, Zakir Nagar, N-Delhi-25
Phone:09811828444

دعائے مغفرت

● نگرانہ بدایوں۔ جناب مظفر الحسن خاں کی اہلیہ محترمہ شاکرہ خاتون رکن جماعت گزشتہ ۲۸ر دسمبر کی شب میں مختصر علالت کے بعد انتقال فرما گئیں۔ انعام اللہ امین اصلاحی ناظم علاقہ بریلی

● پٹنہ: جناب سرور عالم رکن جماعت کرم گنج (بہار) کا یکم جنوری کی شب میں انتقال ہوگیا۔ وہ کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا تھے۔ مرحوم کرم گنج انٹر کالج میں سائنس ٹیچر تھے۔ (ڈاکٹر) مظفر عالم

مرحومین کیلئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے

تحریکی ادب

اسلام کا آفاقی نظریہ

موجودہ زمانے کے اہل فکر حضرات نے اب اس خیال کو پیش کرنا شروع کردیا ہے کہ دنیا کی ساری قوموں کو ملا کر ایک ورلڈ اسٹیٹ (عالمی ریاست) قائم کی جائے، جس میں ساری قوموں کی تہذیب اور کلچر کی گارنٹی ہو۔ اس میں ساری قوموں کے درمیان حقوق صحیح طریقے پر تقسیم ہوں۔ لیکن یہ محض تخیل اور خواہش ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیا کوئی ایسا نظریہ ہے جو ورلڈ اسٹیٹ وجود میں لاسکتا ہے۔ کیا عیسائیت اس کی بنیاد بن سکتی ہے۔ اگر کوئی عیسائی یہاں ہوں تو میں معذرت چاہتا ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ عیسائیت نے ورلڈ اسٹیٹ کے متعلق کوئی تصور نہیں دیا، وہ تو قیصر کے حق میں اول دن ہی سے دستبردار ہوچکی ہے۔ جہاں تک نوع انسانی کو متحد کرنے کا تعلق ہے، عیسائیت اس میں بالکل ناکام ہوئی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ امریکہ کے سفید فام اور نیگرو ایک چرچ میں جمع نہیں ہوسکتے۔ باوجود عیسائیت کی ایک قدر مشترک ہونے کے وہ ایک ریستوران میں نہیں بیٹھ سکتے، نہ ایک بس میں سفر کرسکتے ہیں اور افریقہ میں تو کمال یہ ہے کہ کالوں کے کلیسا میں حضرت مسیح کی تصویر کالی ہے اور گوروں کے کلیسا میں حضرت مسیح کی تصویر سفید...... ظاہر ہے کہ یہ دین کسی عالمی ریاست کی بنیاد نہیں بن سکتا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا بدھ مت کسی عالمی ریاست کی بنیاد بن سکتا ہے۔ جس طرح عیسائیت دنیا کے معاملات سے دستبردار ہوچکی ہے اسی طرح بدھ مذہب بھی دستبردار ہوگیا ہے۔ بدھ مت کے لٹریچر میں انسانی معاملات اور ریاست کو چلانے کے سلسلے میں کوئی ہدایت نہیں ملتی۔ وہاں تو جسم کی قید سے روح کی آزادی کا مسئلہ ہی سب سے اہم ہے۔ اس لئے یہ بھی عالمی ریاست کی بنیاد نہیں بن سکتا۔ کیا ہندو ازم عالمی ریاست کی بنیاد بن سکتا ہے۔ دنیا کی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ انسانوں کو چنڈال بنایا گیا ہو اور ان سے بیت الخلاء صاف کرنے کا کام لیا گیا ہو۔ حد یہ ہے کہ جنوبی ہند میں اگر کوئی غیر برہمن بیمار ہوجائے اور برہمن ڈاکٹر اس کے علاج کے لئے بلایا جائے تو ڈاکٹر بیمار سے چالیس قدم کے فاصلے پر رک جاتا ہے اور درمیان میں رکھی ہوئی ایک اینٹ سے مخاطب ہوکر مریض کا حال پوچھتا ہے۔ مریض اینٹ کو ہی جواب دیتا ہے اور ڈاکٹر پھر اینٹ سے خطاب کرتے ہوئے علاج بتاتا ہے۔ اسی طرح ہندو ازم میں سمندر کا سفر ممنوع ہے۔ پنڈت مالویہ نے ایک بار بحری سفر کیا تو ان پر فتویٰ عائد ہوگیا کہ ان کا دھرم بھرشٹ ہوگیا ہے۔ چنانچہ انھیں اس کا کفارہ دینا پڑا۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کا نظریہ انسانوں کو پھاڑ تو سکتا ہے آپس میں جمع نہیں کرسکتا۔ اسی طرح مغربی تہذیب بھی انسانوں کو آپس میں جمع کرنے سے قاصر ہے کیونکہ یہاں نیشنلزم کا فتنہ ہے۔ اس نے ریاست کو خدا کا درجہ دے دیا ہے۔ مغربی تہذیب کی بنیاد اس فلسفے پر ہے کہ پوری کائنات (Survival of the Fittest) کی بنیاد پر چل رہی ہے یعنی جو طاقتور ہے اسے باقی رہنا چاہئے اور جو کمزور ہے اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ ہم چونکہ طاقتور ہیں اس لئے ہمیں باقی رہنا چاہئے اور جو کمزور ہیں انھیں ختم ہوجانا چاہئے۔ اسی طرح مارکسزم بھی عالمی ریاست قائم کرنے سے قاصر ہے، کیونکہ اس کا فلسفہ مزدوروں کی ڈکٹیٹرشپ قائم کرنے کا ہے جس کے ذریعے سے مختلف طبقوں سے املاک چھین لی جائیں۔ اس مقصد کے لئے قتل و غارت بھی روا ہے۔ یہ فلسفہ ظاہر ہے کہ دنیا کو امن نہیں دے سکتا۔ دنیا میں اس سے پہلے کوئی نظریہ نہ تھا اور نہ اب ہے، جو اسلام کے سوا یہ خدمت انجام دے سکے کیونکہ انسان کے بارے میں اسلام کا بنیادی تصور یہ ہے کہ تمام انسان ایک ماں اور ایک باپ سے پیدا ہوئے: "ہم نے ایک مرد اور عورت سے تم کو پیدا کیا"۔

(مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ہفت روزہ ایشیا، ۲۵ر اکتوبر ۱۹۶۹ء)

خطا، نسیان اور جبر واکراہ کی معافی

ڈاکٹر اسرار احمد

سیدنا ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے میری خاطر میری امت سے (تین قسم کے کاموں اور گناہوں کو) معاف کردیا ہے: خطا، نسیان اور وہ کام جن کے کرنے پر انسان مجبور کردیا جائے۔" (حدیث حسن رواہ ابن ماجہ والبیہقی وغیرہم)

یعنی تین کام خطا، نسیان اور وہ کام کہ جس کے کرنے پر آدمی کو مجبور کردیا جائے، ایسے ہیں جن پر کوئی محاسبہ اور مواخذہ نہیں ہوگا۔ اس ضمن میں سورۃ البقرہ کی آخری آیت بہت اہم ہے۔ فرمایا: "اللہ کسی شخص کو اُس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ (اگر آدمی) اچھے کام کرے گا تو اس کو اُن کا فائدہ ملے گا، بُرے کام کرے گا، تو اُسے اُن کا نقصان پہنچے گا۔ اے پروردگار! اگر ہم سے بھول یا چوک ہوگئی ہو تو ہم سے مواخذہ نہ کیجیو۔ اے پروردگار! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالیو جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ اے پروردگار! جتنا بوجھ اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں اتنا ہمارے سر پر نہ رکھیو۔ اور (اے پروردگار) ہمارے گناہوں سے درگزر کر اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما۔ تو ہی ہمارا مالک ہے اور ہم کو کافروں پر غالب فرما۔" (آیت: ۲۸۶)

اس آیت کے پہلے حصے میں تو ایک عظیم خوشخبری ہے، اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی جان کو بھی ذمہ دار نہیں ٹھہرائے گا، مگر اس کی وسعت کے مطابق۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں جو حساب کتاب ہوگا وہ انسان کی صلاحیت، قدرت اور طاقت کے مطابق ہوگا۔ دنیا کے قانون میں یہ بات نہیں دیکھی جاتی۔ ایک آدمی چوری کرتا ہے، تو قانون اُسے سزا دیتا ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھتا کہ چوری کرنے والے کی مجبوری کیا تھی۔ جب کہ اللہ کے ہاں ایسا معاملہ نہیں۔ اللہ لوگوں کے ساتھ ان کی وسعت اور طاقت کے مطابق معاملہ کرے گا۔ اگر کسی کی وسعت کم ہے تو اس کا محاسبہ ہلکا ہوگا۔ اگر وسعت زیادہ ہے تو محاسبہ بھی اسی قدر سخت ہوگا۔

یہاں ایک شیطانی وسوسہ کی اصلاح بھی ضروری ہے۔ بعض اوقات آدمی کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ میرے اندر اس کام کی صلاحیت ہی نہیں، اور یوں وہ دین کے کام سے بری ہوجاتا ہے۔ یہ وسوسہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ جسے آدمی کو اپنے قریب نہیں آنے دینا چاہئے۔ آدمی کو یہ خیال کرنا چاہئے کہ اگر اس میں صلاحیت اور طاقت نہ ہو، تو وہ دنیا کمانے میں اتنی کامیابی کیوں کر حاصل کرتا۔ اگر اس نے دنیا کمانے میں بڑا مرتبہ حاصل کیا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر صلاحیت کی کمی نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ وہ محض شیطان کی وسوسہ اندازی سے اپنی دینی ذمہ داریوں سے فرار حاصل کرنا چاہتا ہے۔

اس آیت کے دوسرے حصے میں یہ بات واضح فرمائی کہ ہر نفس کے لئے وہی کچھ ہے جو اس نے (بھلا) کمایا اور اس نے جو گناہ کیا اس کا وبال بھی اسی پر آئے گا۔ ظاہر ہے، روزِ قیامت کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ نہ باپ بیٹے کا بوجھ اٹھائے گا، نہ بیٹا باپ کا، نہ شوہر بیوی کا بوجھ اٹھائے گا نہ بیوی شوہر کا۔ ہر ایک کو اپنا بوجھ خود ہی اٹھانا ہوگا۔

آیت کے آخری حصے میں ایک دعا تلقین کی گئی ہے۔ "اے پروردگار! اگر ہم سے بھول یا چوک ہوگئی ہو تو ہم سے مواخذہ نہ کیجیو۔" نسیان تو بھول جانا ہے فرض کریں، انسان کو ایک کام کرنا تھا، بات ذہن سے نکل گئی، تو یہ نسیان ہے۔ خطا یہ ہے کہ آدمی ایک نشانہ لگا رہا تھا، مگر نشانہ نہ لگ سکا، نشانہ خطا ہوگیا۔ نسیان اور خطا پر مواخذہ نہ کرنے کی التجا کے ساتھ ایک اور بات کی درخواست کی گئی کہ "اے پروردگار! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالیو جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جس (کو اٹھانے) کی ہمارے اندر طاقت نہ ہو۔" اس میں اشارہ شریعت موسوی کی طرف ہے۔ بنی اسرائیل کے لئے شریعت میں سختیاں بھی تھیں۔ مثال کے طور پر اُن کا روزہ رات ہی سے شروع ہوجاتا۔ اُن کے ہاں سحری کا کوئی تصور نہ تھا۔ اسی طرح احکام سبت کے ضمن میں ان پر یہ پابندی تھی کہ وہ ہفتہ کا پورا دن کوئی دنیاوی کام نہیں کریں گے۔ بلکہ صرف عبادت میں بسر کریں گے۔ آج بھی بعض باعمل یہودی اس دن کوئی کام نہیں کرتے، یہاں تک کہ فون تک نہیں سنتے، صرف عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ اس کے برعکس شریعت محمدیؐ میں بہت آسانیاں کی گئیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے آپ کی امت کے لئے بہت نرمی کی گئی ہے۔ آپ نے امت کو اصول بھی یہی دیا ہے کہ "یسروا ولا تعسروا" لوگوں کے لئے آسانیاں پیدا کرو، تنگی نہ کیا کرو۔" سورۃ الاعراف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ہی یہ بیان فرمائی گئی کہ: "وہ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو اُن کے لئے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو اُن پر حرام ٹھہراتے ہیں اور اُن پر سے بوجھ اور طوق جو اُن (کے سر) پر (اور گلے میں) تھے اُتارتے ہیں۔" (آیت ۱۵۷)

حدیث زیر درس میں خطا اور نسیان کے بعد تیسری چیز جس کا مواخذہ امت سے اٹھالیا گیا۔ وہ جبر واکراہ ہے۔ وما استکرھوا علیہ۔ جبر دو طرح کا ہے۔ ایک خارجی ہے اور دوسرا داخلی۔ خارجی جبر کی مثال یہ ہے کہ فرض کریں، ایک کافر ایک مسلمان کو مجبور کر رہا ہے کہ کلمہ کفر کہو، ورنہ تمہیں قتل کردیا جائے گا۔ اس حالت میں جان بچانے کی غرض سے کلمہ کفر کہہ دینے کی اجازت ہے۔ جیسا کہ فرمایا: "جس نے اللہ پر ایمان لانے کے بعد کفر کیا (اس پر اللہ کا غضب اور عذاب الیم ہے) لیکن جسے مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو (اس پر کوئی گرفت نہیں) بلکہ وہ جو (دل سے اور) دل کھول کر کفر کرے تو ایسوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کو بڑا سخت عذاب ہوگا۔" (النحل ۱۰۶)

یہ آیت حضرت عمار بن یاسرؓ کے بارے میں نازل ہوئی، جو بنو مخزوم کے غلام تھے۔ انہوں نے اور ان کے والدین نے اسلام قبول کیا تو ان پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ مشرکین، جن میں ابوجہل پیش پیش تھا، سخت دھوپ کے وقت انہیں پتھریلی زمین پر لے جاکر اس کی تپش سے سزا دیتے۔ ایک بار انہیں اسی طرح سزا دی جارہی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا۔ آپؐ نے فرمایا: آلِ یاسر صبر کرنا۔ تمہارا ٹھکانا جنت ہے۔ آخر کار یاسر ظلم کی تاب نہ لاکر وفات پاگئے اور سمیہ جو حضرت عمارؓ کی والدہ تھیں، ان کی شرمگاہ میں ابوجہل نے نیزہ مارا، اور وہ دم توڑ گئیں۔ یہ اسلام میں پہلی شہیدہ ہیں۔ حضرت عمارؓ پر سختی کا سلسلہ جاری رہا۔ انہیں کبھی دھوپ میں تپایا جاتا تو کبھی ان کے سینے پر سرخ پتھر رکھ کر دیا جاتا اور کبھی پانی میں ڈبویا جاتا۔ ان سے مشرکین کہتے تھے کہ جب تک تم لات وعزیٰ کے بارے میں کلمہ خیر نہ کہو گے ہم تمہیں چھوڑ نہیں سکتے۔ حضرت عمارؓ نے مجبوراً ان کی بات مان لی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روتے اور معذرت کرتے ہوئے تشریف لائے۔ اس پر سورۃ النحل کی متذکرہ بالا آیت نازل ہوئی۔

تو جان بچانے کی خاطر کلمہ کفر کہہ دینے کی بھی رخصت ہے۔ دین میں رخصتیں بھی ہیں اور عزیمت بھی ہے۔ جو صاحب عزیمت ہوتے ہیں وہ روشن چراغ بن جاتے ہیں۔ لوگ اُن کی پیروی کرتے ہیں۔ اُن کے تذکرے سے دلوں میں ایمانی جذبات اُبھرتے ہیں۔

جبر کی دوسری صورت داخلی ہے۔ فرض کریں آپ کو کھانے کو کچھ نہیں مل رہا اور آپ بھوک سے مر رہے ہیں، تو ایسی صورت میں اگر آپ کو حرام چیز بھی کھالیتے ہیں، تو یہ اضطراری کیفیت ہے، یہ مجبوری ہے، جس پر کوئی گناہ نہیں۔ ایسی حالت میں آدمی سور بھی کھاسکتا ہے۔ مردار بھی کھاسکتا ہے، لیکن دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ نافرمانی نہ کرے۔ نافرمانی یہ کہ نوبت اضطرار تک نہ پہنچے اور کھانے لگے۔ اور دوسرے یہ کہ زیادتی نہ کرے یعنی مقصود جان بچانا ہو۔ صرف اتنا کھائے کہ جان بچ جائے، اس سے زیادہ نہ کھائے۔ یہی بات سورۃ البقرہ میں فرمائی گئی: "اس نے تم پر مرا ہوا جانور اور لہو اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے حرام کردی ہے۔ ہاں جو کوئی ناچار ہوجائے (بشرطیکہ) اللہ کی نافرمانی نہ کرے اور حد (ضرورت) سے باہر نہ نکل جائے، اس پر کچھ گناہ نہیں۔" (آیت: ۱۷۳)

فقہاء نے یہ اصول دیا کہ مجبوری میں ممنوع چیزیں مباح ہوجاتی ہیں۔ لیکن یہ مجبوری فی الواقع اضطرار کی صورت میں ہو۔ یہ نہ ہو کہ ذرا سی مشکل آئے، اور آدمی ممنوعات میں منہ مارنے لگے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے ہم امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خطا، نسیان اور جبر واکراہ کے معاملہ میں مواخذہ اٹھالیا ہے۔ یہ اللہ کا بہت بڑا فضل ہے، جو آپؐ کے صدقے ہم پر ہوا ہے۔

(تلخیص: مجیب الحق عاجز)

●●

غزہ ناکہ بندی اور یورپی یونین

خالد مائرے

یورپی یونین کے وزرائے خارجہ نے ۸ر دسمبر کو فیصلہ کیا کہ نسلی امتیاز پر قائم اسرائیلی ریاست کے ساتھ تعلقات کو بہتر بنایا جائے۔

اس فیصلے کے بعد آئندہ مہینوں میں یورپی یونین اور اسرائیل کے درمیان پہلی کانفرنس کے انعقاد کا راستہ کھل گیا ہے۔ ممکنہ طور پر ۲۰۰۹ء کے وسط میں یہ کانفرنس ہوگی اور جمہوریہ چیک، یورپی یونین کی صدارت کرے گا۔ یورپی یونین کے اجلاس میں غور ہوگا کہ یورپی یونین سیکورٹی اور دفاعی پالیسی سے منسلک شہری منصوبوں اور اس کے مشن میں نمائندے بھیجے۔

جمہوریہ چیک حکومت کے افسران نے نشاندہی کی ہے کہ یورپی یونین اور اسرائیلی تعلقات کو مستحکم کرنے کا اقدام جمہوریہ چیک کے یورپی یونین کی صدارت کے دوران کے اہم ترین اقدامات میں سے ایک ہوگا۔ جمہوریہ چیک فرانس کے بعد یورپی یونین کی صدارت کا منصب جنوری ۲۰۰۹ء میں سنبھال لے گا۔

غیر اخلاقی فیصلہ:

یہ غیر اخلاقی فیصلہ غیر متوقع طور پر سامنے آیا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یورپی یونین اخلاقیات اور اعلیٰ کردار کی مظہر ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسرائیل نازی ریاست کے طور طریقوں پر عمل درآمد کرتا چلا آرہا ہے اور اس اقدام کا اس کے سوا کوئی مقصد نہیں ہے کہ اسرائیل کی رضا مندی حاصل کی جائے اور سیاسی عدم بلوغت کا ثبوت دیا جائے۔ حقیقتاً یہ بات سمجھنا بہت مشکل ہے کہ یورپی یونین نے پہاڑ جیسی غلطی کیوں کی، اس کے حق میں ایک دلیل دینا بھی ممکن نہیں ہے۔

اسرائیل مغربی کنارے اور مشرق بیت المقدس میں فلسطینی اراضی پر ناجائز تسلط اور دستبرد کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہے اور "زمین چرانے" کے اس سلسلے کا مقصد صرف یہ ہے کہ "صرف یہودیوں کے لئے کالونیاں" تعمیر کی جاسکیں اور فلسطینیوں کو ان کی سرزمین سے بے دخل کردیا جائے۔ زمینی طور پر ملحق اور قابل عمل اسرائیلی ریاست کے قیام کے لئے جو مدھم ترین امکانات موجود ہیں یہ اقدام اس کو بھی معدوم کرنے کے لئے ہے۔

عرب املاک اور اراضی کو قانونی طریقوں سے اپنے تسلط میں لانے کے لئے بھی اسرائیل نے اپنی کوششیں تیز تر کردی ہیں تاکہ مشرقی بیت المقدس کو فلسطینی ریاست کا دارالحکومت بنانے کا خواب ہرگز ہرگز شرمندہ تعبیر نہ ہوسکے۔ مغربی کنارے میں اسرائیلی حکومت کے یہودی دہشت گردوں اور ٹھگوں جنہیں عرف عام میں "آباد کار" قرار دیا جاتا ہے نے فلسطینی شہریوں کو ہراساں کرنے اور ان کی اراضی پر تسلط جمانے کے سلسلے میں ایک بار پھر تیزی کا مظاہرہ کیا ہے۔ جنوبی مغربی کنارے کے شہر الخلیل (Hebron) میں بربریت کے حالیہ مظاہرے میں جسے اسرائیلی راہنماؤں نے بذات خود "نسل اجاڑنے والا منصوبہ" قرار دیا وہ اس سرطان کی نشاندہی کررہا ہے جو جنگ عظیم دوم سے قبل جرمنی میں اپنے اثرات دکھا رہا تھا۔

غزہ پٹی میں جو کچھ ہورہا ہے اس کے اظہار کے لئے الفاظ نہیں ہیں۔ اسرائیل پندرہ لاکھ غزہ کے باشندوں کے خلاف "نسل کشی" کے پروگرام پر بتدریج عمل درآمد کررہا ہے اور اس ظلم وزیادتی میں قومی اور عالمی سطح پر دیگر کردار بھی سرگرم عمل ہیں۔ نجانے کیوں اسرائیل نے اس سے آنکھیں بند کرلی ہیں۔

ہم ایک ایسے "اجتماعی قتل عام" کی بات کررہے ہیں جو ہماری آنکھوں کے سامنے جاری ہے اور یہ قتل عام ان کے بچے اور ان کے پوتے نواسے کررہے ہیں کہ جو خود "ہولوکاسٹ" کا شکار بنے۔ یہ بات درست ہے کہ گیس چیمبر اور انسانوں کو بھوننے والے غزہ میں موجود نہیں ہیں تاہم غزہ کے بوڑھوں اور بچوں کو ہر روز مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ طبی سہولیات سے محروم رہیں۔ گندہ پانی پئیں اور غزہ کی پٹی پر دو برس سے زائد عرصے سے عائد ناکہ بندی کی وجہ سے جو مسائل پیدا ہوئے ہیں اس کے نتائج کا سامنا کریں۔ غزہ وہ علاقہ ہے جسے دنیا کی سب سے بڑی "اوپن ایئر جیل" قرار دیا جاسکتا ہے۔

اگر یورپ یہ سمجھتا ہے کہ غزہ کے باشندوں کو بھوکا رکھنے میں اسرائیل برحق ہے تو یورپ اور مغرب کو تیسری ریخ اور نازی ازم کے جرائم کی مذمت کا سلسلہ بند کردینا چاہئے ورنہ یورپ کو یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ "ہولوکاسٹ" کو وہ اس لئے برا سمجھتے ہیں کہ کیونکہ اس کا شکار بننے والے "یہودی" تھے۔

دیگر الفاظ میں یورپ اور مغرب کو یہ اعلان کردینا چاہئے کہ اگر ہولوکاسٹ کا شکار بننے والے غیر یہودی ہوتے تو انہیں اس پر کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ میں یہ سارے سوالات اس لئے اٹھا رہا ہوں کیونکہ یورپی یونین غزہ میں ہونے والے واقعات سے یکسر غافل نظر آرہی ہے۔ لوگوں کی پوری کی پوری نسل کو ناکہ بندی کے ذریعے موت کے گھاٹ اتارا جارہا ہے اور غزہ کے لوگوں کا جرم صرف یہ ہے کہ انہوں نے ایسی جماعت کو منتخب کیا ہے جس نے یہودی نازیت کو قبول کرنے سے انکار کردیا ہے۔

عربوں کی توہین:

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ یورپی یونین کی جانب سے اسرائیل سے بہتر تعلقات بنانے کا فیصلہ "ماڈریٹ" عرب حکومت کے لئے توہین ہے جو خود اسرائیل کے آگے جھکتے اور اپنے عوام کو اسرائیلی حکومت کے آگے جھکانے سے یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اس اقدام سے یورپ کے دارالحکومتوں میں شہرت اور مقبولیت حاصل کرلیں گے ان حکومتوں اور حکمرانوں کے لئے یورپی یونین کا فیصلہ "بیدار ہوجاؤ" پیغام کے مترادف ہے۔ تاہم یہ بھی واضح ہے کہ یہ "ماڈریٹ عرب" راہنما عزت وقار، قومی اعزاز اور ضمیر نامی چیزوں سے یکسر نا آشنا ہیں۔

مقبوضہ مغربی کنارے میں فلسطینی اتھارٹی کے رہنما محمود عباس نے اپنی ماتحت ملیشیا کو حکم دیا کہ ہزاروں فلسطینیوں کو گرفتار کریں اور تشدد کا نشانہ بنائیں۔ اس میں متحرک مجاہدین کی مزاحمتی جماعتیں بھی شامل ہیں اور اسرائیل کے ساتھ پرامن رہنے کی خواہش مند جماعتیں بھی شامل ہیں اور اس اقدام کا مقصد صرف یہ ہے کہ ان اسرائیلی لیڈروں سے "اچھے چال چلن" کا سرٹیفکیٹ حاصل کرلیا جائے جو بذات خود "مصدقہ جنگی مجرم" میں شامل ہیں۔

حالیہ مہینوں میں امریکی سرمائے سے تربیت حاصل کرنے والی اور امریکی تنخواہوں پر چلنے والی عباس ملیشیا نے مغربی کنارے میں پھیلی ہوئی درجنوں خیراتی انجمنوں اور اداروں کو نشانہ بنایا اور ان کے کام کرنے پر پابندیاں فی الفور عائد کردیں۔ عباس ملیشیا نے یہ کارروائی صرف اس لئے کی تاکہ کم از کم اسرائیل اور بش انتظامیہ تک یہ پیغام پہنچایا جاسکے کہ ہم "دہشت گرد" کو کچلنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

عباس ملیشیا کے راہنماؤں میں سے ایک نے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر آبادکاروں نے ہم پر حملہ کیا تو ہم ان پر جواب میں حملہ نہ کریں گے کوئی بھی معقول شخص یورپی یونین یا دنیا والوں سے یہ کس طرح امید کرتا ہے کہ اپنی عزت نفس اور عوامی اعتماد سے محروم لوگوں کو عزت بخشیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ جہاں تک فلسطینی اتھارٹی کا تعلق ہے یورپی یونین صحیح انداز میں کام کرتی رہی ہے۔ چند مہینے پہلے فلسطینی اتھارٹی کے اعلیٰ ملٹری کمانڈروں میں سے ایک نے کہا تھا کہ "ہم (فلسطینی اتھارٹی اور اسرائیل) اتحادی ہیں، ہمارا دشمن مشترک ہے" ان کا اشارہ "حماس" کی طرف تھا۔

اچھا اگر اسرائیل فلسطینی اتھارٹی کا اتحادی ہے تو اسرائیل کی مدد کرنے سے فلسطینی اتھارٹی کو فائدہ ضرور پہنچنا چاہئے۔ یہی بات مصر کے بارے میں بھی کہی جانی چاہئے۔ مصر کی آبادی آٹھ کروڑ ہے جس کو ایک ایسے حکمران نے نااہل بنادیا ہے جسے ہر لمحہ اس کی فکر ہے کہ مجھے امریکہ، اسرائیل اور یورپی یونین تسلیم کرلیں۔ مصری عوام تسلیم کریں نہ کریں۔

یہ ایسا حکمراں ٹولہ ہے کہ جو غزہ کی پٹی پر نازی طرز کے اسرائیلی تسلط کو اس لئے تقویت پہنچا رہا ہے تاکہ وائٹ ہاؤس سے رخصت ہونے والے صدر اور رخصت ہونے والی بش انتظامیہ کی خوشنودی حاصل کرسکے۔ محمود عباس ایک ایسی حکومت کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ جس کے بارے میں امریکی شہریوں کی اکثریت کا خیال ہے کہ اس حکومت کے فیصلے کو تاریخ کی ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جائے گا۔

سعودی حکمرانوں نے "مکالمہ بین المذاہب" کانفرنسوں کا آغاز کررکھا ہے تاکہ اسرائیل کے لئے مسلم ممالک میں نرم گوشہ پیدا ہوسکے، غزہ کے حاجیوں کو حج کی ادائیگی کے لئے اسرائیل نے سعودی عرب نے آنے نہ دیا۔ اس کا ان کے نزدیک کوئی کردار نہیں ہے۔ عظیم عرب شاعر حسین ابن ابی سلمہ نے ۱۴۵۰ سال پہلے کہا تھا کہ "جو اپنی عزت نہیں کرتا، اس کی عزت بھی نہیں کی جاتی۔"

●●

سرسید ڈے پر مسلم یونیورسٹی میں کانفرنس

صفیہ اقبال، دہلی

۱۷ر اکتوبر یعنی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا سالانہ جشن "سرسید ڈے" جسے نہ صرف علی گڑھ میں بلکہ دنیا کے مختلف شہروں میں منایا جاتا ہے لیکن اس سال کا سرسید ڈے منفرد تھا۔ علی گڑھ کی تاریخ میں پہلی بار عالمی پیمانے پر علی گڑھ یونیورسٹی میں سہ روزہ کانفرنس کا اہتمام کیا گیا تھا۔ ۱۶ر اکتوبر ۲۰۰۸ء کو میں بھی اپنی آنکھوں میں ۳۵ سال پرانی یادوں کو سجائے علی گڑھ کے لئے روانہ ہوئی۔ کانفرنس میں رجسٹریشن پہلے ہی فون پر کرالیا تھا۔ علی گڑھ ریلوے اسٹیشن پر استقبال کا معقول انتظام تھا۔

زیادہ تر مہمانوں کو ان ہی پرانے ہاسٹلوں میں ٹھہرایا گیا تھا جہاں وہ طلب علمی کے زمانے میں رہے تھے۔ تمام پروگرام نہایت سلیقہ اور محنت سے انجام پائے۔ VC سے لے کر تمام اساتذہ اور طلبہ نے اس پہلی "ورلڈ المنی سٹ" کو کامیاب بنانے کے لئے جی توڑ محنت کی تھی۔ امریکہ، پاکستان، عرب ممالک، یورپ اور دور دور سے پرانے طلبہ اور طالبات یہاں جمع تھے۔ ان میں سے زیادہ تر اب عمر کے درمیانی پڑاؤ میں تھے۔ لمبے عرصے کے بعد میں یہاں آئی تھی اور ایک کے بعد ایک پرانے لوگوں کے انتقال کی خبر نے مضمحل کردیا۔ لیکن جو ملے انہوں نے اتنے سال کے بعد بھی پہچان لیا "ارے ایک نمبر کرنے والی بی بی صفیہ بخاری؟" ہماری پرانی وارڈن محترمہ عزیزہ صاحبہ جواب ضعیف اور کمزور لیکن پہلے کی طرح جذبہ محبت سے لبریز تھیں، لپٹ گئیں۔ جیسے لمبے سفر کے بعد لوگ تھک کر آرام کرنا چاہتے ہیں، ہمیں علی گڑھ پہنچ کر کوئی تھکن نہ ہوئی بلکہ پہنچتے ہی تازہ دم ہوگئے اور اپنی پرانی جگہوں میں گھومنے لگے۔ اپنا کمرہ، وہ ڈائننگ ہال وہ کامن روم ہر جگہ پرانے منظر سامنے اپنے پرانے کمرے کے سامنے برآمدے میں کرسی ڈال کر خاموشی سے وہاں کے منظر اور نیلی ہوا کو اپنے گالوں پر محسوس کرتی رہی۔ واش روم سے نکلی تو ایک لڑکی کو دیکھ کر چونکی اور ٹھٹھک کر رہ گئی۔ "کیا ہم پہلے ملے ہیں؟" میں نے پوچھا "نہیں میں تو ابھی آئی ہوں آپ کے پاس" اس نے کہا۔

"کیا تمہاری کوئی بہن یہاں پڑھتی تھی؟" "میری امی یہاں ۳۵ سال پہلے پڑھ چکی ہیں" نام پوچھنے پر معلوم ہوا کہ اس کی والدہ میرے ساتھ ہاسٹل میں تھیں۔ بیٹی کا چہرہ ہوبہو ماں کی طرح تھا۔ ہم میں سے ہر شخص ماضی کو تلاش کررہا تھا۔ وہ پرانی تہذیب جسے دیوانے علی گڑھ کی تہذیب کہتے ہیں اسے آنکھیں ڈھونڈ رہی تھیں اور وہ جابجا نظر آئی بھی۔ در ودیوار وہی تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں لازم تھیں۔ کالجوں میں پہلے سے زیادہ کورس تھے۔ ہاسٹلوں میں ہمارے زمانے سے زیادہ سہولتیں تھیں۔ عبداللہ ہال جو لڑکیوں کا ہال تھا وہاں اب کئی نئے ہاسٹل بن گئے تھے۔ لڑکیوں کو فون موبائل رکھنے کی اجازت تھی۔ کینٹین میں ہمارے وقت کی طرح صرف چائے سموسے اور آملیٹ نہیں بلکہ پورا ہوٹل کھلا تھا۔

لڑکیوں کے لئے کوچنگ اور اسکالر شپ کی سہولت تھی۔ جو بات بہت دلکش معلوم ہوئی وہ یہ کہ علی گڑھ میں اب بھی وہ پرانی خوشبو باقی تھی۔ میزبانی اور محبت جو علی گڑھ کی پہچان تھی۔ وہ اب بھی فراخی سے ملے۔ وائس چانسلر عبداللہ ہال کی ذمہ دار پروسٹ اور وارڈن تمام محبت اور خلوص سراپا تھے۔ بھی لڑکیاں شلوار قمیص اور سر پر دوپٹہ میں تھیں۔ دلّی اور دوسری جگہوں کی طرح مردانہ لباس یعنی جینس اور ٹاپس یہاں موجود نہ تھے۔ ہاسٹل میں نماز ہوتی، اجتماع ہوتا، لڑکیاں قرآن پڑھتی تھیں۔ رمضان میں تراویح کا بھی انتظام تھا۔ ایک ہی بات دیکھی کہ لڑکیاں اپنے کمرے میں خود جھاڑو پونچھا کرتی تھیں البتہ لڑکے اس کام سے بری تھے۔ ہمارے زمانے میں ہمیں اس کام سے فارغ رکھا جاتا تھا۔

ایک کمی محسوس ہوئی وہ تھا لڑکوں کا لباس۔ ہمارے زمانے میں شیروانی لازمی تھی۔ لیکن اب شیروانی صرف پروگراموں میں نظر آئی۔ عام طلبہ شرٹ اور پینٹ میں تھے۔ تمام پروگرام علی گڑھ یونیورسٹی کی تاریخ، سرسید کے قصے، تعلیم اور تقاریر پر مبنی تھے۔

مہمانانِ خصوصی میں ہندوستان کے نائب صدر جناب حامد انصاری صاحب اور ان کی بیگم اور جھارکھنڈ اور یوپی کے گورنر شامل تھے۔ ایک بات جو عجیب معلوم ہوئی وہ یہ کہ اردو غائب تھی۔ تمام پروگراموں کی کارروائی اور تمام تقاریر انگریزی میں ہوئیں۔ صرف ایک ہندو منسٹر اور جھارکھنڈ کے گورنر نے فصیح اردو میں تقریر کی۔ پروگرام کے دوران میں نے ایک پرچہ وائس چانسلر صاحب کو اور ایک پرچہ کمپیئر کو بھیج کر توجہ دلائی کہ علی گڑھ کی پرانی روایت ہے کہ پروگرام اردو میں ہوں۔ شاید کنڈکٹر کو بھی احساس ہوا اور کچھ اردو کا استعمال شروع ہوا۔ ہر پروگرام کی جان ہوتا تھا علی گڑھ کا وہ روح پرور ترانہ۔ جب یہ الفاظ فضا میں اُٹھتے کہ "جو ابر یہاں سے اُٹھے گا وہ سارے جہاں پر برسے گا۔" تو اتنے سال کے بعد بھی ہاتھ بے ساختہ تالی میں سب کا ساتھ دیتے رہے۔ یونیورسٹی کے پرانے چراغ مجاز نے اس ترانے کے ذریعہ مادر درس گاہ کی تہذیب کو لازوال کردیا۔

پروگرام کے بعد ایک ڈنر میں چند طلبہ انٹرویو لے رہے تھے۔ ایک نے مجھ سے سوال کیا کہ کیا تبدیلی محسوس ہوئی پرانے اور نئے علی گڑھ میں۔ مثبت پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے بعد میں نے ایک بات بتائی جو شدت سے محسوس ہوئی تھی۔ وہ یہ کہ ہر تقریر ہر پروگرام میں سب کچھ تھا لیکن صرف تین الفاظ نہ تھے یعنی اللہ، رسول اور قرآن۔ بے شک ہر پروگرام کی ابتداء تلاوتِ قرآن سے ہوتی لیکن منصوبوں، تبصروں، تقریروں اور اظہار خیال میں اللہ، رسولؐ اور قرآن کے ذکر کو سننے کے لئے کان ترس گئے۔ ہاسٹلوں میں اردو کا رجحان کم پایا۔ کہیں نہ کہیں مسلم شناخت کی کمی پائی۔ میں یہ نہیں کہتی کہ ہمارے زمانے کی طرح آج کلاس میں غرارے یا شیروانی پہنیں لیکن اسلامی قدریں تو لافانی ہیں اور علی گڑھ کی روایات کا حصہ ہیں۔ انہیں اور اردو زبان کو چھوڑ دیا تو صرف علی گڑھ کی بقاء ہی نہیں خود ملت کی بقا کا سوال پیدا ہوگا۔ جس طرح جڑوں کے بغیر کسی چیز کا وجود نہیں رہتا اسی طرح اسلامی تہذیب جو علی گڑھ یونیورسٹی کی جڑ ہے۔ اس کے بغیر علی گڑھ کا وجود خطرے میں ہے۔ اپنی انوکھی تہذیب کو چھوڑ کر موجودہ رجحان کو اپنانا علی گڑھ کے لئے خود کشی ہوگی۔ بغیر اپنی جڑ کے یہاں کے درخت کہیں اور لگائے گئے تو ٹھہر نہ پائیں گے، ہاں لیکن اسلامی تہذیب کی جڑ کے ساتھ جو یہاں کے طالب علم نکلیں گے وہ سارے جہاں پر برسیں گے، جم کر برسیں گے۔ وقت کا تقاضا بھی یہ ہے کہ سرسید کے پرانے سلوگن کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے کہ "ہر طالب علم کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں سائنس کی کتاب ہو" بہرحال مجموعی طور پر یہ تین دن انتہائی خوشی کے تھے۔ دن بھر کینیڈی ہال میں پروگرام کے بعد جب رات ہاسٹل پہنچتے تو لڑکیاں چائے کی ٹرے لئے تیار ملتیں کہ اب رات ہماری ہے۔ دیر رات تک غزلوں، شعر وشاعری اور سوال جواب کا سلسلہ چلتا۔ اپنے زمانے کے قصے اور شرارتیں سناتی اور ان کی سنتی۔ ان کو بتاتی کہ کیسے لڑکوں نے ہاسٹل کی چھت پر راؤنٹ چڑھایا تھا اور کیسے یہاں طلبہ قصداً فیل ہوتے تاکہ علی گڑھ میں کچھ وقت زیادہ رہنے کا موقع مل جائے۔ اسلامی معلومات کے لئے لڑکیوں کی پیاس اور ان کے معقول سوالات نے مجھے ناامید نہ ہونے دیا۔ یہ معصوم مخلص ذہن، بھی تو ہماری متاع ہے۔ فرصت کے لمحے چرا کر کالج اور چمن کی طرف نکل جاتی۔ کالج کے کمروں کے بند دروازوں میں خالی کرسیوں پر ایک ۱۷ سالہ لڑکی بیٹھی نظر آئی اور درخت بھی ڈھونڈ لیا جس پر چڑھ کر ہم شاعری پڑھا کرتے تھے اور جہاں چاندنی راتوں میں ٹہلتے تھے۔ بہترین یادوں کو ساتھ لئے اور پرانی نایاب تصاویر کے البم کا تحفہ ساتھ لئے ہم علی گڑھ سے رخصت ہوئے اس عزم کے ساتھ کہ اب کے ایک دوسرے سے رابطہ ضرور رکھیں گے۔ اور ہر سال ۱۷ر اکتوبر کو ملنے کی کوشش ضرور کریں گے۔ اور بار بار لوٹیں گے۔ یہاں کیوں کہ ہر شام ہے، شام مصر یہاں، ہر شب ہے شب شیراز یہاں، ہے سارے جہاں کا سوز یہاں اور سارے جہاں کا ساز یہاں، ذرات کا بوسہ لینے کو سو بار جھکا آکاش یہاں۔ خود آنکھ سے ہم نے دیکھی ہے باطل کی شکست فاش یہاں۔ یہ میرا چمن ہے۔ میرا چمن

●●

بچوں کیلئے مثالی کردار بنئے

پروفیسر فرح اسماء اشفاق

دورِ حاضر کی نوجوان نسل کی بے راہ روی اور تباہ حالی ہر طبقہ خیال کے لوگوں کے لئے ایک سوالیہ نشان اور لمحہ فکریہ ہے۔ ضروری ہے کہ اس کے لئے سنجیدہ غور وفکر کیا جائے تاکہ آنے والی نسلوں کو بہتر طور پر پروان چڑھایا جاسکے۔

ایک بچہ مانند فرشتہ جنم لیتا ہے، جو رنگ ونسل سے ماورا صرف ایک معصوم انسان ہوتا ہے۔ اس کے کان میں اذان دے کر اُسے زندگی کی نماز کی ادائیگی کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ اس کی پہلی تربیت گاہ ماں کی گود ہوتی ہے۔ ہر ماں بچے کی "آئیڈیل اور رول ماڈل" ہوتی ہے جس کی انگلی پکڑ کر وہ چلنا سیکھتا اور دنیا کو دیکھتا ہے۔ پہلے کی ماں چار دیواری میں رہ کر اپنے بچے کی پرورش دینِ اسلام کی روشنی میں کرکے اس کو پروان چڑھاتی تھی۔ جب کہ دورِ حاضر کی بیشتر مائیں اپنے معاشی حالات کی بدحالی کی وجہ سے بچے کو وہ تربیت نہیں دے پاتیں جس کا وہ مستحق ہوتا ہے۔ نہ ہی ان کے پاس وقت رہتا ہے جو وہ اس کے کردار کی اصلاح کے لئے نکال سکیں۔

انہی حالات میں بچہ اسکول جاتا ہے جہاں دولت کے عدم توازن کی وجہ سے بچے کے ننھے ذہن میں امیر غریب کا فرق پیدا ہوتا ہے جو احساس محرومی کا سبب بنتا ہے۔ وہ اپنے اطراف کا جائزہ لے کر موازنہ کرتا ہے، جہاں وہ اپنے امیر دوستوں سے مرعوب ہوکر ان کی تقلید کرنا چاہتا ہے جو کہ فطری عمل ہے وہیں احساس محرومی اور سوچ اس کو کردار کی پستی کی طرف لے جاتے ہیں۔ اس وقت اساتذہ کی نظر کرم اور دلچسپی اس کی سوچ کو بدلنے میں اہم کردار ادا کرسکتی ہے۔ لیکن آج کل کا استاد بچے سے لاتعلق ہوتے ہوئے صرف مفاد پرستی کی طرف مائل نظر آتا ہے۔ اصلاح کا پہلو اس کے پیش نظر ہوتا جب کہ دوسرا سبق بقیہ استاد

باقی صفحہ ۸ پر

POSTED ON 11 January 2009 AT DELHI R.M.S. LICENCE NO. U (D.N.) 41/ 2006-08 TO POST WITHOUT PRE PAYMENT PAGES-8.

۱۳/ جنوری ۲۰۰۹ء

TELEGRAM : ADDAWAH NEW DELHI-110025
PHONES: Editor: 26958816, Manager: 26949539, Fax:26958816
E-mail:-dawaturdu@indiatimes.com, dawattrust@yahoo.co.in

DAWAT SEHROZA
NEW DELHI-110025

R.N.I. No.522/57
DL (S) - 05 / 3128 / 2009 - 2011 & DL (S) - 05 / 3266 / 2006-08 (Foreign Post

POSTAL REGISTRATION No.

واقعۂ کربلا کے فکر انگیز پہلو

عارف عزیز، بھوپال

نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسین ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اہل بیت کی شہادت کا دن ہر سال ہجری تقویم کے پہلے مہینے کی دسویں تاریخ کو آتا ہے تو اس تاریخ ساز واقعے کی پوری یاد تازہ ہو جاتی ہے جس نے اپنے ظہور کے وقت کوئی طوفان برپا نہ کیا لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا رہا اور زمانہ کا پہیہ گھومتا گیا اس واقعے کی اہمیت، اثرات اور نتائج تاریخ، تہذیب، سماج اور اسلامی ثقافت سے تعلق رکھنے والے ہر ذہنی مظہر پر نمایاں ہوتے رہے۔ یہ رنج و غم کے اظہار، گریہ و بکا کا دن، جذبہ اور احساس کی شدت میں اضافہ کرنے والے رسوم و رواج کی شکل اختیار کرتا ہوا ایک نہ ایک شکل میں اثر انگیزی اور اثر آفرینی کا سرچشمہ بنا رہا، ہر سال اس یاد کا اعادہ ہوتا ہے۔ اس اعادہ نے سماجی رسوم کا جامہ پہن لیا ہے۔ وہ ہندوستان کے مسلمانوں اور غیر مسلموں کی زندگی میں بھی گہرائی تک پیوست ہو گیا ہے۔ اردو شعر و ادب میں تو اس کو ایک باقاعدہ صنف سخن (مرثیہ) کا درجہ مل گیا ہے۔ اس کی وجہ سے زبان کو علامتوں اور تلمیحوں کا ایک خزانہ میسر آیا ہے۔ انسانی ذہن اور رجحانات بھی شہادت حسینؓ سے اثر پذیر ہوتے رہے ہیں۔

لیکن یہ تصویر کا ایک رخ ہے دوسرا رخ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں سب سے زیادہ حسینی خصوصیات کو اپنانے کی ضرورت ہے اور اس شہادت کے فکری و عملی پہلو پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ حضرت حسینؓ اور ان کے ولولہ انگیز کارنامہ کے چاروں طرف اوہام اور روایتوں کا ایک ایسا جال سا بن دیا گیا کہ جس میں ان کا حقیقی چہرہ یا ان کی قربانی کا مقصد نظروں سے اوجھل ہو کر رہ گیا ہے۔ حالانکہ اس واقعہ سے بنی نوع انسانی کو صبر و استقلال اور ایثار و قربانی کا سبق ہی نہیں فکر و عمل کی تحریک بھی ملنی چاہئے تھی۔

شہادت حسینؓ میں سب سے بڑا سبق یہ ہے کہ ظلم کے آگے سر نہ جھکایا جائے اور انسان اپنی خود داری اور شرف کو ظالم کے قدموں میں روندنے کے لئے نہ ڈال دے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ غیر ضروری طور پر اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالا جائے اور خونریزی سے تحفظ کی کوئی باعزت راہ ہو تو اسے تلاش نہ کیا جائے۔ قتل و غارتگری، فتنہ و فساد اور ظلم و تشدد اسلام میں انتہائی ناپسندیدہ عمل ہیں، اسلام کا مطلب ہی امن و سلامتی ہے۔ کرۂ ارض پر آباد تمام انسان یہاں تک کہ چرند پرند، حیوان اور چیونٹیوں تک کو اس میں امان و پناہ ہے۔ ہرے بھرے درختوں کی حفاظت ماحولیات کے رکھ رکھاؤ اور انسانوں پر عائد انسانوں کے حقوق کی ادائیگی کا حکم ہے لیکن اگر ظالم کسی طرح نہ مانے اور اس کی سرکشی حد سے سوا ہو جائے تو پھر اسلام ظلم کے خلاف اٹھنے اور مقابلہ کرنے کی تعلیم دیتا ہے کیونکہ ایسا نہ کیا جائے تو حق مغلوب اور باطل غالب ہو جائے گا۔

پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ اسی جانب رہنمائی کرتا ہے جسے نواسۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے چراغ راہ بنایا، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تیرہ سالہ مکی زندگی، ظلم کو آخری حد تک برداشت کرنے کی ایک اعلیٰ مثال ہے پھر اس ظلم کی گرفت سے بچنے کے لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفیق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی جب وہاں بھی دشمنان خدا نے امن و چین سے نہ رہنے دیا تو آخری لمحے تک رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوشش فرماتے رہے کہ دشمن اپنی دست درازیوں سے باز آ جائیں لیکن جب انھوں نے مدینہ منورہ پر چڑھائی کر دی تو اس وقت بھی باطل کی طاقت زیادہ تھی اور حق کے محافظ اور ان کے مقابل نصف سے بھی کم تھے۔ اس تفاوت کے باوجود معرکہ بدر میں حق غالب آیا اور باطل مغلوب ہو گیا۔

واقعہ کربلا کو حق و باطل کے درمیان معرکہ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ یہ پہلی جنگ تھی جو اسلام کی شورائی جمہوریت کے تحفظ کے لئے ملوکیت اور اس کے مظالم کے خلاف لڑی گئی، اسلام نے دنیا میں سب سے پہلے جمہوریت کی بنیاد رکھی تھی اور اس شورائی جمہوریت کے قیام و استحکام کے لئے حضرت امام حسینؓ نے اپنا اور اپنے ساتھیوں کی جانوں کا نذرانہ پیش کیا ہے۔ ●●

بقیہ: وینزویلا کی انسانیت نوازی اور مسلم حکمرانوں کی خاموشی

فلسطینیوں کی تحریک آزادی اور اسرائیل کی جارحیت کو بھارت میں جاری دہشت گردی مخالف کارروائیوں کے مماثل قرار دیا جا رہا ہے۔ بھارتی ذرائع نشر و اشاعت نے وینزویلا کی اسرائیل مخالف کارروائی کی خبر کو بھی ناپسندیدہ قرار دیتے ہوئے نظر انداز کیا ہے حالانکہ امریکی ٹی وی سی این این نے اور اس کے سی این این ڈاٹ کام نے اس خبر کو نشر کیا ہے۔ سی این این ڈاٹ کام نے کہا ہے کہ وینزویلا نے اسرائیل کے سفیر کو اپنے یہاں سے نکال دیا ہے اور اسرائیل پر فلسطینی عوام کے خلاف "نسل کشی" کی کوشش کا الزام لگایا ہے۔ وینزویلا کے وزیر خارجہ نے اپنے بیان میں جو سرکاری ٹیلی ویژن پر پڑھا گیا، واضح الفاظ میں کہا ہے کہ اس پرسوز اور المناک صورتحال کی گھڑی میں وینزویلا کے لوگ اپنی غیر مشروط حمایت و یکجہتی کا بلند حوصلہ اور ہیرو کا درجہ رکھنے والے فلسطینیوں کے ساتھ اظہار کرتے ہیں ان ہزاروں فلسطینی خاندانوں کے رنج و غم میں برابر کے شریک ہیں جو اپنے اعزہ و اقربا سے محروم ہو گئے ہیں۔ اور ہم انہیں یقین دلاتے ہیں کہ وینزویلا کی حکومت اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے گی جب تک ان مجرمانہ زیادتیوں کا ارتکاب کرنے والوں کو سزا پاتے نہیں دیکھ لے گی۔ بیان میں کہا گیا ہے کہ حکومت، اسرائیل کے ہاتھوں بین الاقوامی قوانین کی کھلی پامالی کی سخت مذمت کرتی ہے۔ ان کی منصوبہ بند اور سرکاری دہشت کی پرزور طور پر مخالفت کرتی ہے۔ مذکورہ بالا اسباب کی بنیاد پر وینزویلا حکومت نے اپنے یہاں اسرائیل کے سفیر اور اس کے سفارتخانہ کے کچھ لوگوں کو نکالنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ایک پریس کانفرنس میں جو وینزویلا کے سرکاری ٹیلی ویژن پر براہ راست نشر کی گئی صدر ہیوگوشاویز نے اسرائیلی افواج پر سخت تنقید کرتے ہوئے کہا کہ "یہ بزدل لوگ ہیں ان کی حیثیت ایسی ہے جیسے کوئی باکسنگ کا پیشہ ور آتا ہے اور باکسنگ کے لئے آپ کو چیلنج کرتا ہے۔ یہ کوئی حوصلہ مندی اور بہادری کی بات ہے۔ اسرائیلی فوج کی یہ کونسی بہادری ہے۔ صدر وینزویلا نے دنیا بھر کے یہودی بھائیوں سے برادرانہ اپیل کی ہے کہ وہ اسرائیلی حکومت کی ان مجرمانہ پالیسیوں کی مخالفت کریں، جس نے ۲۰ ویں صدی کی تاریخ کے بدترین صفحات کی یاد تازہ کر دی ہے۔ فلسطینی عوام کی نسل کشی کر کے اسرائیلی حکومت اپنے عوام کو کبھی بھی امن و چین کے مواقع فراہم نہیں کر سکتی جن کا دیرپا ہونا ضروری ہے۔ وینزویلا حکومت کے ردعمل میں اسرائیلی وزیر اعظم ایہود اولمرٹ کے ترجمان مارک ریجیو نے اپنی جھنجھلاہٹ ان الفاظ میں نکالی ہے۔ "آپ جانتے ہیں کہ وینزویلا کے حکمراں دنیا کے ان چند حکمرانوں میں سے ہیں جو ایرانی انتہا پسندوں کی اندھی حمایت کرتے ہیں اس لئے مجھے اس پر کوئی حیرت نہیں ہے کہ وہ حماس اور حزب اللہ جیسے گروپوں سے ہمدردی رکھتے ہیں۔" ساتھ ہی ریجیو نے امریکہ کی سرپرستی اور اس کے دباؤ کے تحت زندگی گزارنے والے مسلم حکمرانوں کی حالت پر اپنے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ دوسرے ملک حتی کہ مشرق وسطی کے عرب ملک بھی ایسا نہیں کر سکیں گے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اسرائیل وہاں جو کچھ کر رہا ہے اس کے لئے باہمی مفاہمت ہو چکی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی جوابی کارروائی کرتے ہوئے اسرائیل نے بھی وینزویلا کے سفارتکاروں کو اپنے یہاں سے نکال دیا ہے۔ یاد رہے کہ وینزویلا نے نیوکلیائی بورڈ کی میٹنگ میں ایران کے خلاف لگائی جانے والی پابندیوں کے وقت بھی ایران کے حق میں ووٹ دیا تھا جب کہ بھارت سمیت امریکہ کے غلام بنے ہوئے حکمرانوں نے اس کے خلاف ووٹ دیا تھا۔

وینزویلا لاطینی یا جنوبی امریکہ میں تقریباً ڈھائی کروڑ کی آبادی اور ۳۳۰۵۶۱ مربع میل یا ۸۸۲۰۵۰ مربع کلومیٹر رقبہ پر مشتمل ملک ہے۔ اس کے صدر ہیوگوشاویز ۲۸ جولائی ۱۹۵۴ء کو پیدا ہوئے اور ۲ فروری ۱۹۹۹ء کو صدر بنے۔ یہاں آباد نسلی گروپوں میں اسپینی، اٹلی، پرتگالی، عرب، جرمن، سیاہ فام اور دیسی ملک نژاد ہیں سرکاری زبان اسپینی اور کئی دیسی بولیاں ہیں جب کہ ۹۶ فیصد رومن کیتھولک عیسائی ہیں۔ اگر مسلم حکمراں جرأت و حوصلہ، خود داری، آزادی رائے، دینی اخوت و بصیرت اسلامی جذبہ اور غیرت و حمیت سے کام لینے کا فیصلہ کر لیں تو اسرائیل ہی نہیں امریکہ بھی ان کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو سکتا ہے جب کہ مسلم عوام کے اندر حریت و غیرت اور بیداری کا جذبہ جوش مار رہا ہے مگر ان کے حکمراں اپنے گلے میں امریکہ کی غلامی کا پٹہ ڈال کر مسلم عوام کو کچلتے ہوئے غلام بن کر رہنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ ●●

بقیہ: ہند-پاک کے درمیان...

چدمبرم جلد ہی امریکہ جانے والے ہیں جہاں وہ نئی انتظامیہ کے سامنے نہ صرف ممبئی کا معاملہ رکھیں گے بلکہ وہ تمام شواہد بھی پیش کریں گے جو ہندوستان کے پاس ہیں۔ ادھر پاکستان کے تیور بھی بدلے ہوئے ہیں۔ پاکستان کے خارجہ سکریٹری سلمان بشیر نے دھمکی آمیز انداز میں کہا کہ پاکستان یہ مسئلہ لے کر اقوام متحدہ میں بھی جا سکتا ہے۔ پاکستانی وزارت خارجہ کی طرف سے بھی ایک اخباری بیان جاری کیا گیا اس کا لہجہ بھی نرم و گرم تھا۔ ●●

بقیہ: میرا حجاب اطاعت خداوندی

ہیں وہ سب انسان کی فلاح کے لئے ہیں۔

ترجمہ: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادر کے پلو لٹکا لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے، تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں، اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔ (سورہ احزاب، آیت نمبر ۵۹، پارہ ۲۲)

ترجمہ: اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور دور جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو"۔ (سورہ احزاب، آیت نمبر ۳۳، پارہ ۲۲)

ترجمہ: وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اپنی جو زینت انھوں نے چھپا رکھی ہے اس کا لوگوں کو علم ہو جائے۔ (سورہ نور)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کو صرف زیوروں کی جھنکار تک محدود نہیں رکھا ہے بلکہ اس سے یہ اصول اخذ فرمایا ہے کہ نگاہ کے سوا حواس کو مشتعل کرنے والی دوسری چیزیں بھی اس میں شامل ہیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو حکم دیا کہ خوشبو لگا کر باہر نہ نکلیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو عورت عطر (خوشبو) لگا کر راستے سے گزرے تاکہ لوگ اس کی خوشبو سے لطف اندوز ہوں تو وہ ایسی اور ایسی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے بڑے سخت الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ عورت مستور رہنے کے قابل چیز ہے جب وہ نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے۔

ان آیات قرآنی اور احادیث کی روشنی میں ہم کو پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم عورتوں کو کس طرز عمل سے روکنا چاہتا ہے یعنی اپنے حسن کی نمائش کرنا، خوب بن ٹھن کر نکلنا، عریاں اور چست لباس سے جسم کو نمایاں کرنا، ناز و ادا سے چلنا، کوئی بھی ایسی چیز، بات، انداز یا ادا جو غیر مردوں کو رجھانے والی ہو اس میں شامل ہے، یہ سب سابق دور جاہلیت کے طریقے ہیں۔ جاہلیت کے یہ طور طریقے دوبارہ ہماری ثقافت کا حصہ بن گئے ہیں۔ اللہ ہم پر رحم فرمائے اور اس سے بچنے کی توفیق دے۔ آمین!

بقیہ: بچوں کیلئے مثالی کردار بنئے

سے ہی سیکھتا ہے۔ گھر آ کر وہ ٹی وی اور ویڈیو کے مختلف غیر معیاری، غیر مذہبی مار دھاڑ سے بھرپور جرائم پیشہ لوگوں اور بے ہودہ فلموں کے کردار دیکھتا ہے۔ اس طرح اصلاح کے بجائے برائیاں جنم لیتی ہیں اور بچے مزید بے راہ رو ہو جاتا ہے۔

نئی نسل کو برائیوں کے گروپ سے نکالنے کے لئے والدین اور اساتذہ کو خود عامل باعمل بن کر ان کے ذہنوں میں اس سوچ کو اُجاگر کرنا ہوگا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے دیئے ہوئے اصولوں پر چل کر ہی منزل مراد پانی ہوگی۔

ایک اچھا انسان بننے کے لئے انسان کامل یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ایک مثال اور رول ماڈل بنانا ہوگا۔ حقوق العباد اور حقوق اللہ کو ایک ساتھ لے کر چلنا ہوگا۔ ماں بچے کو ہر حال میں عزت نفس، صبر، شکر اور اکل حلال کی تعلیم دے۔ اساتذہ اور دینی طبقے اس کو ایک اچھا انسان اور مسلمان بننے کے گر سکھائیں۔

اس کے لئے سب سے پہلے ان کو خود باکردار اور دیندار انسان بننا ہوگا تاکہ بچے کے ذہن میں ایک مثالی تصویر جنم لے سکے اور وہ بڑا ہو کر ان کی تقلید کر سکے۔ ضروریات زندگی کی کمی اور تنگدستی اور وقتی آفات کا احساس نہ دلائیں اور ہر حال میں خدا کا شکر بجالانے کی تلقین کریں اور انہیں یقین دلائیں کہ ہر کامیابی اور ناکامی من جانب اللہ ہوتی ہے۔ محنت، سچی لگن اور اچھی سوچ اور خدا پر توکل کامیابی کے راستے کا اصل زاد راہ ہے۔ ●●

دعوت

پرنٹر، پبلشر خلیل احمد نے دعوت ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی جانب سے ایمامین آرٹ پرنٹرز قاسم جان اسٹریٹ بلیماران دہلی ۱۱۰۰۰۶ میں برائے دعوت آفسیٹ پرنٹرز چھپوا کر دفتر "دعوت" ڈی ۳۱۴، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

ایڈیٹر: پرواز رحمانی

اسسٹنٹ ایڈیٹر: شفیق الرحمٰن
سب ایڈیٹرس: محمد عبداللہ ندوی، حقیقت اللہ قاسمی
عمیر کوثی ندوی، اشرف علی بستوی

ضرورت رشتہ

دین پسند، سید سنی خاندان کی خوبصورت لڑکی عمر ۲۶ سال، تعلیم انٹر، کے لئے برسرروزگار لڑکے سے رشتہ مطلوب ہے۔

لڑکا ۲۵ سال، تعلیم انٹر، اور ڈپلوما، پرنٹنگ کا اپنا کاروبار کے لئے دین پسند خاندان کی لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔ دہلی و بہار کے رشتے قابل ترجیح ہوں گے۔

بدلے کے رشتے بھی قابل قبول ہوں گے۔

رابطہ کریں:
09899493309

ضرورت رشتہ

معزز تعلیم یافتہ، شیخ برادری کی خوبصورت لڑکی عمر ۲۲ سال، قد پانچ فٹ، چار انچ، گریجویٹ کے لئے شیخ سید برادری کے برسرروزگار لڑکے سے رشتہ مطلوب ہے۔ بہار کے رشتے قابل ترجیح ہوں گے۔

Box No.1419
C/o Sehroza Dawat
Dawat Nagar, D-314,
Abul Fazl Enclave,
Jamia Nagar, New Delhi-25

ضرورت رشتہ

سنی، شیخ، بی فارم برسرروزگار عمر ۲۶ سال قد پانچ فٹ دو انچ رنگ صاف لڑکے کے لئے رشتہ مطلوب ہے۔ فوراً رابطہ کریں:

Box No. 1319
C/o Sehroza Dawat
Dawat Nagar, D-314,
Abul Fazl Enclave,
Jamia Nagar, New Delhi-25

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ سے عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! مشرکین کے حق میں بددعا فرمایئے۔ آپؐ نے فرمایا "مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہے۔ بلکہ مجھے تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔" (بخاری)

OMEGA SUPER HARDWARE
Complete range of Latest fittings for Doors & Windows, Bath Rooms and Furnitures, Glass Furnitures
AD 5/2, 2nd AVENUE, ANNA NAGAR, CHENNAI- 40.
Phones: 2620 2016,4269 0216

دماغین برین ٹانک

دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا باپ کی رضا کے ساتھ خداوند عالم کی خوشنودی وابستہ ہے اور باپ کے غصے کی وجہ سے خدا تعالیٰ بھی ناراض ہو جاتا ہے۔ (ترمذی شریف)

UNIQUE CREATIONS
Specialist in Unipole & Structure Hordings
#4, Building No.29/35, 1st Main, Opp. Masjid-e-Husna,
S.R.K. Garden, Jayanagar East, Bangalore-41
E-mail: uniquecreations2008@gmail.com

مئو کا بنا تیز اثر دار افضلس نورانی تیل

لیبل و کیپ پر AFZALS اور MAU CITY دیکھ کر خریدیں

بدن کے ہر قسم کے درد، زخم، چوٹ ورم، سردی کے امراض نیز بچوں کی بہت سی بیماریوں مثلاً حلقہ، خناق، کھانسی، نزلہ، وزکام وغیرہ میں مجرب و مفید ہے

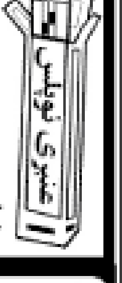

INDIAN CHEMICAL CO. NEW CHEMICAL CO.
Mau Nath Bhanjan-Mau-275101 (U.P.)

حکومت سے منظور شدہ ایکسپورٹ ہاؤس
سپر ٹینری لمیٹڈ
● برشڈ بف کاف ● فیشن ہسپل لیدرز ● اپر شل اپ ● انڈسٹریل سیفٹی بوٹ لیدرز ● نوبک
● واٹر پروف لیدرز ● گارمنٹ نپا ● شوایڈ بوٹ اپرز

SUPER TANNERY LIMITED
(A Government Recognised Export House)
187/170, JAJMAU ROAD, KANPUR-208010 (INDIA)
Tel:+91-512-2460137,2465362,2462138,2461079
Fax:+91-512-2460792,2462227,
Email:supertannery@satyam.net.in
Website:www.supertannery.org

جامعة الصّفة ورنگل

دعوت دین و اقامت دین کے لئے ایک تعلیمی تحریک

الحمدللہ جامعۃ الصفہ ورنگل اپنا پانچواں تعلیمی سال مکمل کر کے چھٹے سال کا سفر طے کر رہا ہے اور اپنے طے کردہ مقاصد کے تحت پیش قدمی کر رہا ہے۔ پانچ سال کی مختصری مدت میں بفضلہ تعالیٰ گزشتہ دو سالوں میں ۱۰ طلبہ نے حفظ کی تکمیل کی ہے اور اس سال اللہ کے فضل و کرم سے مزید ۱۲ طلباء حفظ قرآن کی تکمیل کر چکے ہیں۔

جامعہ کا شعبہ عالمیت

جامعہ کے شعبہ عالمیت میں عربی اول تا چہارم جماعتیں قائم ہیں جس میں تشنگان علم و خادمان دین اپنے علم کی پیاس بجھا رہے ہیں تاکہ وہ معاشرہ میں مثبت کردار ادا کر سکیں۔ جامعہ میں تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ طلباء کی کردار سازی اور اسلامی فکری پختگی پر خاص توجہ کی جاتی ہے۔ جامعہ میں اس وقت ۱۴۰ طلبہ زیر تعلیم ہیں اور تقریباً سارے ہی طلبہ دارالاقامہ میں مقیم ہیں ان کی تعلیم، رہائش و طعام کے اخراجات اہل خیر حضرات کے تعاون و سرپرستی سے مکمل کئے جاتے ہیں (اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے) الحمدللہ طلباء کو تلنگو و انگریزی زبان بھی پڑھائی جاتی ہے تاکہ وہ اہل وطن میں دعوت دین کا کام انجام دیا جا سکے۔

شعبہ تدریب ائمہ

جامعۃ الصفہ ورنگل میں اس سال تدریب ائمہ کا دو سالہ کورس شروع کیا جا رہا ہے جس میں ایسے طلباء کو داخلہ دیا جائے گا جو کم از کم آٹھویں جماعت کامیاب ہوں نیز جو اردو یا تلگو لکھنا پڑھنا جانتے ہوں اور بالخصوص دیہات کے رہنے والے ہوں۔ ان طلباء کو دوران تعلیم ماہانہ فی کس ایک ہزار روپے تعلیمی وظیفہ دیا جائے گا تاکہ طلباء اور اولیاء طلباء کو یکسوئی ہو اور طلباء دلجمعی کے ساتھ تعلیم حاصل کر سکیں اور ان طلباء کے قیام و طعام کی ذمہ داری جامعہ پر ہوگی۔ ہر طالب علم پر ماہانہ ڈھائی ہزار روپیوں کا خرچ ہوگا (Rs.2,500/-) ادارہ اس سال ۲۰ طلباء کو تدریب ائمہ کے لئے داخلہ کا منصوبہ بنایا ہے۔ تدریب ائمہ کے دو سالہ کورس کے دوران ان منتخب طلباء کو امامت اور خطابت کے اصول قرآن، حدیث و فقہ کے علم اور حالات حاضرہ کے تقاضوں سے واقف کروایا جائے گا۔ اس دو سالہ کورس کی تکمیل کے بعد دیہاتوں میں ان طلباء کی خدمات سے استفادہ کیا جائے گا۔

محترم بھائی! آپ کے علم میں یہ بات ہوگی کہ قادیانیت اور عیسائیت کے مبلغین مختلف طریقوں سے دیہات کے بھولے بھالے مسلمان بھائیوں کو مالی رغبت دلا کر مرتد بنانے کی کوشش کر رہے ہیں اور لگتا ہے انہیں کامیابی بھی حاصل ہو رہی ہے جب کہ شہروں میں رہنے والے مسلمان، صاحب ثروت اور اہل علم حضرات اس جانب خاطر خواہ توجہ نہیں دے پا رہے ہیں۔ واضح ہو کہ یہ دونوں فتنے امت مسلمہ کے لئے ایک بڑا مسئلہ بنے ہوئے ہیں مسلمانوں کو جہاں مختلف پہلوؤں سے کام انجام دینا ہے وہیں مساجد کی تعمیر کے ساتھ ساتھ بالخصوص ائمہ مساجد کو بھی تیار کرنا ہے جو دینی ٹرپ رکھتے ہوں اور شہروں سے دور دیہاتی پس منظر میں کام کے لئے آمادہ ہوں۔ جامعۃ الصفہ نے ایک طویل مدتی منصوبے کے تحت اس اہم کام کو انجام دینے کا بیڑا اٹھایا ہے جس کے لئے خطیر رقم کی ضرورت ہے اس خصوص میں اہل خیر اور دین کا درد رکھنے والے احباب آگے آئیں اور ان طلباء کی کفالت کی ذمہ داری سنبھالیں۔ جامعۃ الصفہ اس اہم پراجکٹ کو اللہ کے فضل و کرم اور خیر خواہان دین و ملت کے تعاون سے انجام دے سکے گا۔ انشاءاللہ۔

تعاون کی شکلیں ☆ طلباء کی کفالت: تدریب ائمہ کے لئے فی طالب علم سالانہ 30,000/- روپے ☆ شعبہ حفظ کے لئے سالانہ 10,000/- روپے فی طالب علم ☆ شعبہ عالمیت کے لئے سالانہ 12,000/- فی طالب علم (مدت پانچ سال) ☆ اساتذہ کی تنخواہ کی شکل میں ماہانہ 48,000/- روپے ☆ تعمیری کام اور قرضوں کی ادائیگی کیلئے۔ **نوٹ:** جامعہ اپنے خیر خواہوں کا ابھی تک بارہ لاکھ روپے قرض واجب الادا ہے اس خصوص میں تعاون کی درخواست ہے۔

سرپرست جامعہ	JAMIA-TUS-SUFFAH	ناظم جامعہ
حضرت مولانا سید جلال الدین عمری مدظلہ، امیر جماعت اسلامی ہند	Deshaipet Road, Warangal, A.P. India	محمد خواجہ عارف الدین

Phone: +91-870-2424576, Cell:+91-9849004547 A/c No. 444351498 Indian Bank Mandi Bazar, Warangal A.P. INDIA

ترجمۂ قرآن مجید (انگریزی)

Towards Understanding The Qur'an

از: مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ
انگریزی ترجمہ: ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کے شہرۂ آفاق اور عام و خاص طبقے میں یکساں مقبول و پسندیدہ اردو ترجمۂ قرآن مجید مع مختصر حواشی کا عام فہم، سلیس اور شگفتہ انگریزی ترجمہ۔

بڑے سائز: (۲۳×۳۶/۱۶) کی غیر معمولی مقبولیت کے بعد شائقین کی بے حد خواہش اور اصرار پر چھوٹے سائز (Pocket Size) ڈی لکس میں بھی شائع ہو گیا ہے۔

آخر میں موضوعات کی فہرست بھی درج ہے۔

سائز: ۲۳×۳۶/۳۲ ● صفحات: ۱۳۶۰ ● ہدیہ: Rs.200/-

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی۔ ۲۵

Post Box. 9752, Jamia Nagar, New Delhi-110 025
Phones:26971652,26954341, Fax:26947858
E-mail: mmipublishers@gmail.com Website: www. mmipublishers.net